ماہنامہ

# اشراق

لاہور

اکتوبر ۲۰۲۳ء

زیر سرپرستی

## جاوید احمد غامدی

”ایسا حکیمانہ اور معجز کلام صرف خدا کا رسول ہی پیش کر سکتا ہے جس میں خدا بولتا ہوا نظر آئے، جو اُن حقائق کو واضح کرے جن کا واضح ہونا انسانیت کی شدید ضرورت ہے اور وہ کسی انسان کے کلام سے کبھی واضح نہیں ہوئے، جو اُن معاملات میں رہنمائی کرے جن میں رہنمائی کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ ایک ایسا کلام جس کے حق میں وجدان گواہی دے، علم و عقل کے مسلمات جس کی تصدیق کریں، جو ویران دلوں کو اِس طرح سیراب کر دے، جس طرح مردہ زمین کو بارش سیراب کرتی ہے، جس میں وہی شان، وہی حسن بیان، وہی فصاحت و بلاغت اور وہی تاثیر ہو جو قرآن کا پڑھنے والا، اگر اُس کی زبان سے واقف ہو تو اُس کے لفظ لفظ میں محسوس کرتا ہے۔“

—— قرآنیات

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net".

المورد
ادارۂ علم و تحقیق

المورد ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اِس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ دارانہ تعصّبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن و سنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اِس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ و تلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن و سنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول و فروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

المورد کے نام سے یہ ادارہ اِس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق و تنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشر و اشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن و سنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان و اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو فیلو کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم و تعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشوونما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اِس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگیِ قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

www.al-mawrid.com www.javedahmadghamidi.com

ماہنامہ

# اشراق

لاہور

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

جلد ۳۵ شمارہ ۱۰ اکتوبر ۲۰۲۳ء ربیع الاول ۱۴۴۵ھ



مدیر

طالب محسن

مجلس علمی

ڈاکٹر منیر احمد | محمد رفیع مفتی
طالب محسن | ڈاکٹر ساجد حمید
ڈاکٹر شہزاد سلیم | آصف افتخار
ڈاکٹر محمد عمار خان ناصر | خورشید احمد ندیم
اظہار احمد | کوکب شہزاد
جنید حسن | رضوان اللہ
مشفق سلطان

مدیر انتظامی

جواد احمد غامدی

مجلس ادارت

شاہد رضا | نعیم احمد


## فہرست


شذرات

| | | |
|---|---|---|
| اشراق: حرفے چند | طالب محسن | ۴ |
| معنی در معنی | جواد احمد غامدی | ۵ |

قرآنیات

| | | |
|---|---|---|
| البیان: یٰس ۳۶: ۱-۵۰ (۱) | جاوید احمد غامدی | ۷ |

مقالات

| | | |
|---|---|---|
| قرآن مجید میں اختلاط مرد و زن کے احکام (۲) | ڈاکٹر محمد عمار خان ناصر | ۲۲ |

شخصیات

| | | |
|---|---|---|
| حیات امین احسن (۱) | محمد بلال | ۴۰ |

سیر و سوانح

| | | |
|---|---|---|
| مہاجرین حبشہ (۲۴) | محمد وسیم اختر مفتی | ۶۳ |

اصلاح و دعوت

| | | |
|---|---|---|
| نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت | خورشید احمد ندیم | ۷۲ |

وفیات

| | | |
|---|---|---|
| پروفیسر حکیم الطاف احمد اعظمی | ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی | ۷۵ |



www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com



فی شمارہ 100 روپے سالانہ 1000 روپے رجسٹرڈ 2000 روپے (زر تعاون بذریعہ منی آرڈر) بیرون ملک سالانہ 50 ڈالر





Post Box 5185, Lahore, Pakistan.
www.ghamidi.net, www.javedahmadghamidi.com
https://www.facebook.com/javedahmadghamidi
http://www.javedahmadghamidi.com/index.php/ishraq

طالب محسن

# اشراق: حرفِ چند

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ماہنامہ ''اشراق'' ایک لمبی تاریخ رکھتا ہے۔ میرا ''اشراق'' سے تعلق اتنا ہی پرانا ہے، جتنی ''اشراق'' کی عمر ہے۔ جب ''اشراق'' نے اپنا سفر شروع کیا تو میں بھی اس کے ابتدائی خدمت گاروں میں شامل تھا۔ پاکستان میں ایک فکر کا نقیب، قرآن سے تعلق کی ایک نئی جہت کا علم بردار، حق کو فرقے، شخص اور مفاد کے بجاے صرف دلیل کی بنا پر سمجھنے اور اپنانے کی روایت کا حدی خواں۔

پاک و ہند میں ہزاروں جریدے طبع ہوتے ہیں۔ مکاتب فکر اپنے ترجمان شائع کرتے ہیں۔ تحریکیں اپنی دعوت کے لیے جرائد کا اجرا کرتی ہیں۔ ''اشراق'' نکالنے والوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ صرف وہ بات لکھی جائے جو قرآن و سنت کا بیان ہو۔ ان کی شرح ہو۔ ان سے ماخوذ ہو، یعنی مقصود صرف یہ رہا ہے کہ اللہ کی بات کی نصرت ہو اور اللہ کے دین کی خدمت ہو۔

طویل عرصے بعد ''اشراق'' کی خدمت کے لیے پھر سے حاضر ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ حق کی صحیح پہچان عطا کرے اور اس کے مطابق جینے کی توفیق دے؛ کلمۂ حق کہنے کا حوصلہ دے اور قول و فعل میں کوئی تضاد نہ ہو؛ کوئی ملامت حق گوئی میں مزاحم نہ ہو اور کوئی خوف قدموں میں تزلزل پیدا نہ کرے؛ باطل سے محفوظ رکھے اور زندگی بھی اس کے اثرات سے پاک رہے؛ قلم کی ہر جنبش کا باعث حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت کا جذبہ ہو۔ آمین

---

جواد احمد غامدی

# معنی در معنی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

زندگی ایک سفر ہے۔ اس سفر کی منزل معلوم ہے۔ ہم سب اسی منزل کی طرف کشاں کشاں گامزن ہیں۔ نوید یہی کہ منزل کی آسایش، سفر کے اعمال پر منحصر۔ سفر مشکل ہے۔ اس مسافرت میں اگر کسی کو کوئی شک ہو تو ڈھلتی عمر واضح پیغام ہاتھ میں لیے کھڑی ہے۔ سو ہم سب اسی آسایش کو پانے اور خوشنودی مالک کی آرزو لیے پاؤں پاؤں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

ہر شخص اپنے کسب کا چور ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ وہ کر رہا ہوتا ہے۔ ہر شخص مستعد رہتا ہے کہ وہ اپنی غلطی کو چھپا لے یا دبا دینے میں کامیاب ہو جائے۔ شاید یہی اس کا امتحان ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کب وہ غلطیوں کی تاویل کر رہا ہے اور کب بس ماننے سے انکار، یعنی انسان سب سے پہلے خود اپنے آپ سے منافق ہوتا ہے۔ توجیہ و تاویل کر کے یا عذر تراش کر وہ اپنی تسلی اور حوصلے کا سامان تو کر لیتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ خود کو اپنی توجیہ کا اسیر بنا چکا ہوتا ہے۔ اس کے لیے وہی سچ ہوتا ہے جو وہ خود کو سمجھا اور بتا چکا ہوتا ہے۔

علم و ذہانت، اگر نعمت خالق ہیں تو امتحان مالک بھی۔ علم کیا ہے؟ 'کہے'، 'ان کہے' کو جان لینا یا ڈھکے چھپے کو دریافت کر لینا۔ دونوں ہی صورتوں میں، موجود سے زیادہ جانا نہیں جا سکتا اور نہ ہی دریافت کیا جا سکتا ہے۔ پھر بنیادی بات یہ ہے کہ کبھی 'کل' کا احاطہ ممکن نہیں۔ البتہ موجود کے دائرے میں رسائی کبھی کم، کبھی زیادہ۔ اب جو زیادہ جان لے، اس پر ماننے اور عمل کی ذمہ داری بھی اسی لحاظ سے زیادہ۔ انسانی عقل بھی یہی تقاضا کرتی ہے کہ

ایسا ہی ہونا چاہیے۔ دنیوی علم میں بھی ہم سب کا دائرۂ معلومات ایک جیسا ہوتا ہے، جب کہ علم، صلاحیت اور محنت کے اعتبار سے مختلف۔ نتیجۂ امتحان بھی ہمارے موجود دائرے میں زیادہ یا کم علم کی بنیاد پر طے ہوتا ہے۔

مالک و مختار کائنات نے بھی یہی بنیاد بنائی۔ وہاں بھی امتحان کل کو جاننے کا نہیں، بلکہ جانے ہوئے کو عمل میں لانے کا ہے۔ اب جو جتنا جان گیا، اتنا ہی عمل ترازو کو برابر رکھنے کا باعث بنے گا۔

اِسی جاننے کے نتائج کو اوروں تک منتقل کرنے کی ایک سعی غامدی صاحب اور ان کے رفقا نے برسوں پہلے ''اشراق'' کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کر کے شروع کی۔ بہت سے نشیب و فراز سے گزر کر آج بھی یہ رسالہ علم کی دنیا میں اپنی ایک منفرد شناخت رکھتا ہے۔

اس رسالے کے چلانے والوں میں جن ابتدائی لوگوں کا کردار رہا، ان میں سے ایک جناب طالب محسن صاحب ہیں۔ انھوں نے ہماری اس درخواست کہ وہ اس رسالے کی ادارت کی ذمہ داریوں کو سنبھال لیں اور پروردگار کے پیغام —— جو کچھ ہم اسے سمجھ سکے ہیں —— کو پہنچانے میں ہماری دوبارہ سے مدد کریں، کو قبول فرمایا۔ لٰہذا اب اس رسالے کی آیندہ ذمہ داریاں انھی کے سپرد کی جا رہی ہیں۔ ''اشراق ہند'' محترم ذکوان ندوی صاحب کی ادارت میں حسب معمول نکلتا رہے گا۔

مالک ہم پر اپنا کرم فرمائے اور ہمیں ہمیشہ سیدھی بات کہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

## البیان

جاوید احمد غامدی

# مرحلۂ اتمام حجت

## یٰس - ص

## ۳۶ — ۳۸

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

# یٰسٓ

۳۶

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

# یٰسٓ

یہ ایک منفرد سورہ ہے جس سے اِس باب میں اتمام حجت کی ابتدا ہو رہی ہے۔ اِس کے اور پچھلی دونوں سورتوں کے مضمون میں اِس کے سوا کوئی خاص فرق نہیں ہے کہ اسلوب بیان میں تنبیہ و تہدید، ملامت اور زجر و توبیخ کی شدت نمایاں ہو گئی ہے۔ اِس لحاظ سے یہ اگلی دونوں سورتوں کے لیے گویا اُس مضمون کی تمہید ہے جو اُن میں پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے۔

اِس کے مخاطب قریش کے متکبرین ہیں اور اِس کے مضمون سے واضح ہے کہ ام القریٰ مکہ میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مرحلۂ اتمام حجت میں نازل ہوئی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# سورۃ یٰسٓ

(۱)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰسٓ ۚ﴿۱﴾ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۙ﴿۳﴾ عَلٰی صِرَاطٍ

---

اللہ کے نام سے جو سراسر رحمت ہے، جس کی شفقت ابدی ہے۔

یہ سورۂ 'یٰسٓ '[۱] ہے۔ یہ سراسر حکمت قرآن گواہ ہے کہ یقیناً تم رسولوں میں سے ہو،[۲] ایک

---

۱۔اِس نام کے معنی کیا ہیں؟ اِس کے متعلق ہم نے اپنا نقطۂ نظر سورۂ بقرہ (۲) کی آیت ۱ کے تحت بیان کر دیا ہے۔

۲۔اِس لیے کہ ایسا حکیمانہ اور معجز کلام صرف خدا کا رسول ہی پیش کر سکتا ہے جس میں خدا بولتا ہوا نظر آئے، جو اُن حقائق کو واضح کرے جن کا واضح ہونا انسانیت کی شدید ضرورت ہے اور وہ کسی انسان کے کلام سے کبھی واضح نہیں ہوئے، جو اُن معاملات میں رہنمائی کرے جن میں رہنمائی کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ ایک ایسا کلام جس کے حق میں وجدان گواہی دے، علم و عقل کے مسلمات جس کی تصدیق کریں، جو ویران دلوں کو اِس طرح سیراب کر دے، جس طرح مردہ زمین کو بارش سیراب کرتی ہے، جس میں وہی شان، وہی حسن بیان، وہی فصاحت و بلاغت اور وہی تاثیر ہو جو قرآن کا پڑھنے والا، اگر اُس کی زبان

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٤﴾ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿٥﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ
فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٦﴾ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٧﴾
اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿٨﴾

---

نہایت سیدھی راہ پر۔[3] یہ پورے اہتمام کے ساتھ اُس ہستی کی طرف سے اتارا گیا ہے جو زبردست ہے، جس کی شفقت ابدی ہے۔[4] اِس لیے اتارا گیا ہے کہ تم اُن لوگوں کو خبردار کرو جن کے اگلوں کو خبردار نہیں کیا گیا تھا، لٰہذا غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔[5] اُن میں سے بہتوں پر ہماری بات پوری ہو چکی ہے،[6] سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (وہ ایسے متکبر ہیں کہ) اُن کی گردنوں میں ہم نے گویا

---

سے واقف ہو تو اُس کے لفظ لفظ میں محسوس کرتا ہے۔

۳۔ اصل الفاظ ہیں: 'عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ'۔ یہ خبر کے بعد دوسری خبر ہے جو حرف عطف کے بغیر آگئی ہے، اِس لیے کہ قرآن کی شہادت یہاں بہ یک وقت دونوں باتوں پر پیش کی گئی ہے، اِس پر بھی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اِس پر بھی کہ آپ صراط مستقیم پر ہیں۔ ہم نے ترجمے میں اِسے ملحوظ رکھا ہے۔

۴۔ آیت میں لفظ 'تَنْزِيْل' کا نصب فعل محذوف سے ہے اور یہ جس ہستی کی طرف سے ہے، اُس کی دو صفتوں کا حوالہ دیا گیا ہے: ایک 'عَزِيْز'، دوسری 'رَحِيْم'۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> "...اِن میں ایک صفت انذار کے لیے ہے اور دوسری بشارت کے لیے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اِس کی تکذیب کریں گے، وہ یاد رکھیں کہ یہ کسی سائل کی درخواست نہیں، بلکہ ایک عزیز و مقتدر کا فرمان واجب الاذعان ہے جو سرکشی کرنے والوں کو لازماً سزا دے گا۔ ساتھ ہی وہ رحیم بھی ہے اور اپنی اِس رحمت ہی کے لیے اُس نے یہ کتاب اتاری ہے تو جو اللہ کے بندے اِس قرآن کی قدر کریں گے، اُن کو وہ اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے گا۔" (تدبر قرآن ۶/ ۴۰۱)

۵۔ یہ اشارہ بنی اسمٰعیل کی طرف ہے جن کے پاس پچھلے ڈھائی ہزار سال میں کوئی رسول نہیں آیا تھا۔

۶۔ یعنی وہ بات جو ہم نے ابلیس کے جواب میں کہی تھی کہ جو تیری پیروی کریں گے، خواہ جن ہوں یا انسان، اُن سے میں جہنم کو بھر دوں گا۔ قرآن میں نقل ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات اُس وقت فرمائی تھی،

وَجَعَلۡنَا مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡهِمۡ سَدًّا وَّمِنۡ خَلۡفِهِمۡ سَدًّا فَاَغۡشَیۡنٰهُمۡ فَهُمۡ لَا
یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۹﴾ وَسَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰﴾
اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکۡرَ وَخَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ ۚ فَبَشِّرۡهُ بِمَغۡفِرَةٍ
وَّاَجۡرٍ کَرِیۡمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَنَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَهُمۡ ؕ وَکُلَّ
شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰهُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۲﴾

---

طوق ڈال دیے ہیں اور وہ ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں، سو اُن کے سر اٹھے رہ گئے ہیں۔[۷] ہم نے اُن کے آگے بھی ایک دیوار کھڑی کر دی ہے اور اُن کے پیچھے بھی ایک دیوار کھڑی کر دی ہے۔ اِس طرح ہم نے اُن کو ڈھانک دیا ہے تو اُنھیں اب کچھ سجھائی نہیں دے رہا ہے۔ اُن کے لیے برابر ہے، تم اُنھیں خبردار کرو یا نہ کرو، وہ نہیں مانیں گے۔ تم تو، (اے پیغمبر)، صرف اُنھی کو خبردار کر سکتے ہو جو نصیحت پر چلیں اور بن دیکھے خداے رحمٰن سے ڈریں۔ سو اِس طرح کے لوگوں کو مغفرت کی اور (خدا کی طرف سے) باعزت صلے کی بشارت دو۔ یقیناً ہم ہی (ایک دن) مردوں کو زندہ کریں گے اور (اُن کے حساب میں بھی ہمیں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی، اِس لیے کہ) اُنھوں نے جو کچھ آگے بھیجا اور جو کچھ اُنھوں نے پیچھے چھوڑا ہے، وہ سب ہم لکھتے جا رہے ہیں اور ہم نے ہر چیز ایک واضح کتاب میں درج کر لی ہے۔[۸] ۱-۱۲

---

جب ابلیس نے یہ دھمکی دی تھی کہ میں آدم کے بیٹوں کی اکثریت کو گم راہ کر کے چھوڑوں گا۔

۷۔ یعنی گردنیں ایسی تنی ہوئی ہیں کہ اوپر نیچے اور دائیں بائیں کوئی حقیقت دکھائی نہیں دے رہی۔ یہ مستکبرین کی تصویر ہے۔ اِسی طرح کے لوگ ہیں جو اعتراف حق کی سعادت سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیے جاتے ہیں اور یہ اُس سنت الٰہی کے مطابق ہوتا ہے جو ہدایت و ضلالت کے باب میں مقرر کی گئی ہے۔ اِن کی اِس حالت کو اللہ تعالیٰ نے اِسی بنا پر اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔

۸۔ یہ تہدید کے لیے فرمایا ہے کہ کوئی اِس غلط فہمی میں نہ رہے کہ اتنی وسیع دنیا اور اتنے بے شمار انسانوں

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا اَصۡحٰبَ الۡقَرۡيَةِ ‌ۘ اِذۡ جَآءَهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ ۚ‏ ﴿۱۳﴾ اِذۡ اَرۡسَلۡنَآ
اِلَيۡهِمُ اثۡنَيۡنِ فَكَذَّبُوۡهُمَا فَعَزَّزۡنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلَيۡكُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوۡا مَاۤ

اِنھیں بستی والوں[9] کی مثال سناؤ، جب کہ اُن کے پاس رسول آئے تھے۔[10] (اِس طرح کہ) جب ہم نے دو رسول اُن کے پاس بھیجے[11] تو اُنھوں نے دونوں کو جھٹلا دیا۔ پھر ہم نے ایک تیسرے شخص[12] سے اُن کی تائید کی تو اُنھوں نے لوگوں سے کہا: کچھ شک نہیں کہ ہم تمھارے پاس بھیجے

کے اعمال کا حساب کون کرے گا اور کس طرح کرے گا؟

۹۔ قرآن نے بستی کا نام نہیں لیا، لیکن آگے کے اشارات دلیل ہیں کہ اِس سے مراد مصر ہے جس کی سرگذشت قریش کی عبرت پذیری کے لیے قرآن میں متعدد مقامات پر بیان ہوئی ہے۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں اِن اشارات کی تفصیل کر دی ہے۔

۱۰۔ یعنی اُسی طرح، جیسے اب اِن کی طرف خدا کا رسول آیا ہے۔

۱۱۔ اِس سے، ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام مراد ہیں۔ اِن کے علاوہ انبیا و رسل کی معلوم تاریخ میں دو رسول بہ یک وقت کسی قوم کی طرف نہیں بھیجے گئے۔

۱۲۔ اِن کا ذکر جس طریقے سے یہاں ہوا ہے، اُس سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ رسول نہیں تھے، بلکہ سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح رسولوں کے ایک خاص مددگار کی حیثیت سے اُن کی حمایت میں کھڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ جس طرح وہ 'ثاني اثنین' تھے، اُسی طرح یہ بھی 'ثالث ثلٰثة' تھے۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی سرگذشت انذار میں یہ حیثیت صرف مصر کے شاہی خاندان کے اُس مرد جلیل کو حاصل ہے جس کی ایک بے نظیر تقریر سورۂ مومن (۴۰) کی آیات ۲۶-۴۵ میں نقل ہوئی ہے۔ قرآن نے اِن کے لیے 'عَزَّزۡنَا' کا جو لفظ استعمال کیا ہے، اُس کی صحیح کیفیت اُسی تقریر سے واضح ہوتی ہے اور اُسی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اِن کا مرتبہ و مقام کیا تھا اور اِنھوں نے مصر کے دار الامرا میں فرعون کے سامنے کس نازک موقع پر، کس جرأت اور بے خوفی اور کیسے پرزور دلائل کے ساتھ حق کی حمایت کی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انبیا و صدیقین کی تاریخ کے سوا اِس کی مثال کہیں اور نہیں مل سکتی۔ اِن کا یہی وہ شان دار اور زندۂ جاوید کارنامہ ہے جس کی بنا پر اِن کا ذکر یہاں

اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ۙ وَمَاۤ اَنۡزَلَ الرَّحۡمٰنُ مِنۡ شَیۡءٍ ۙ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَکۡذِبُوۡنَ ﴿۱۵﴾
قَالُوۡا رَبُّنَا یَعۡلَمُ اِنَّاۤ اِلَیۡکُمۡ لَمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَیۡنَاۤ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۷﴾
قَالُوۡۤا اِنَّا تَطَیَّرۡنَا بِکُمۡ ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَہُوۡا لَنَرۡجُمَنَّکُمۡ وَلَیَمَسَّنَّکُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ
اَلِیۡمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوۡا طَآئِرُکُمۡ مَّعَکُمۡ ؕ اَئِنۡ ذُکِّرۡتُمۡ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ﴿۱۹﴾

---

ہوئے آئے ہیں۔[۱۳] لوگوں نے جواب دیا کہ تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو اور خداے رحمٰن نے کوئی چیز نہیں اتاری ہے، تم محض جھوٹ بول رہے ہو۔ ۱۳-۱۵

رسولوں نے کہا: ہمارا رب گواہ ہے کہ یقیناً ہم تمھارے پاس بھیجے ہوئے آئے ہیں اور ہمارے اوپر اِس کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ صاف صاف پہنچا دیں۔[۱۴] لوگوں نے کہا: ہم تو تمھیں منحوس سمجھتے ہیں۔[۱۵] اگر تم لوگ باز نہ آئے تو ہم تمھیں سنگ سار کر چھوڑیں گے اور ہماری طرف سے ضرور تم بڑی دردناک سزا پاؤ گے۔ رسولوں نے جواب دیا: تمھاری نحوست تمھارے ساتھ

---

'فَعَزَّزۡنَا بِثَالِثٍ' کے الفاظ سے ہوا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"... یہ اِس معنی میں تو رسول نہیں تھے، جس معنی میں حضرت موسیٰ و حضرت ہارون رسول تھے، لیکن اُن کے سب سے زیادہ طاقت ور، سب سے زیادہ جاں نثار اور سب سے بڑے وفادار اور راست باز ساتھی ضرور تھے، اِس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اِن کو تین کے تیسرے کا درجہ دیا۔" (تدبر قرآن ۶/ ۴۱۳)

۱۳۔ یہ 'علیٰ سبیل التغلیب' فرمایا ہے۔ گویا حق کی تائید میں جس مقام پر وہ مرد حق کھڑا ہو گیا تھا، اُس کے بعد اگر اُسے بھی خدا کا بھیجا ہوا کہا جائے تو یہ کچھ غلط نہ ہو گا۔

۱۴۔ مطلب یہ ہے کہ اِس کے بعد ہم تو اپنے فرض سے سبک دوش ہو جائیں گے۔ اُس کو ماننا یا نہ ماننا، یہ تمھاری ذمہ داری ہے اور اُس کے نتائج بھی تمھیں ہی بھگتنا ہوں گے۔

۱۵۔ سورۂ اعراف (۷) میں وضاحت ہے کہ مصر کے لوگوں نے یہ بات اُس وقت کہی، جب موسیٰ علیہ السلام کی دعوت برپا ہو جانے کے بعد اُنھیں پے در پے آفتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ آفتیں اُن کی تنبیہ کے لیے نازل کی گئی تھیں، مگر اُنھوں نے اِن کو حضرت موسیٰ اور اُن کے ساتھیوں کی نحوست قرار دے دیا۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٠﴾
اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ
فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٢﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا
تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿٢٣﴾ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٤﴾

ہے۔[١٦] کیا اتنی بات پر کہ تمھیں یاددہانی کی گئی ہے؟ نہیں، بلکہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔ ۱۶-۱۹

(یہی موقع تھا، جب خدا نے تیسرے سے تائید فرمائی۔ اِس طرح کہ) شہر کے پرلے سرے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا[١٧] (اور آکر) کہنے لگا کہ میری قوم کے لوگو، رسولوں کی پیروی کرو۔ اُن لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتے اور راہ راست پر بھی ہیں۔ (تم مجھے بھی برگشتہ کرنا چاہتے ہو؟ مگر میں تم سے پوچھتا ہوں کہ) میں اُس ہستی کی بندگی کیوں نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور اُسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے؟ کیا میں اُس کے سوا دوسروں کو معبود بنا لوں؟ اگر خداے رحمٰن مجھے کوئی تکلیف پہنچانی چاہے تو اُن کی سفارش میرے کچھ بھی کام نہ آئے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے۔ ایسا کروں تو کچھ شک نہیں کہ پھر تو میں کھلی گم راہی میں جا پڑوں گا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

١٦۔ یعنی جو کچھ پیش آرہا ہے، تمھارے اپنے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا اگر کوئی نحوست ہے تو وہ تمھاری اپنی ہے جو تمھیں لاحق ہو گئی ہے۔ رسولوں کا یہ جواب مجانست کے اسلوب پر ہے جس کی متعدد مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔

١٧۔ اوپر جس تین کے تیسرے کا ذکر ہوا ہے، موسیٰ علیہ السلام کی تائید کے لیے یہ اُس کی سرگرمی کی تصویر ہے۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا گھر شہر کے کسی بعید کنارے پر تھا، مگر اُنھیں جب معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کو خطرہ درپیش ہے تو وہ بھاگ کر وہاں پہنچے اور شاہی خاندان کا ایک فرد ہونے کے باوجود اپنے تمام مفادات، بلکہ اپنی جان تک کو خطرے میں ڈال کر اُن کی تائید اور حق کی شہادت کے لیے کھڑے ہو گئے۔

اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ
یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ ﴿۲۷﴾
وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا کُنَّا مُنْزِلِیْنَ ﴿۲۸﴾
اِنْ کَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾ یٰحَسْرَةً عَلَی الْعِبَادِ ۚ

میں تمھارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں تو تم بھی میری بات سنو[۱۸] —— ارشاد ہوا: جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اُس نے (یہ بشارت سنی تو) کہا: یہ جو میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت والوں میں شامل کیا ہے، اے کاش، میری قوم اِسے جان لیتی![۱۹] ۲۰-۲۷

اُس کی قوم پر اُس کے بعد[۲۰] ہم نے آسمان سے کوئی فوج نہیں اتاری اور (اِس طرح کے کاموں کے لیے) ہم اتارا بھی نہیں کرتے۔ وہ ایک ڈانٹ ہی تھی اور دفعتاً وہ بجھ کر رہ گئے[۲۱] —— افسوس

۱۸۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے اِس راہ سے ہٹانے کی کوشش میں اپنا وقت ضائع کرنے کے بجاے میری بات پر دھیان کرو اور وہ بات تسلیم کر لو جس کو تم بھی جانتے ہو کہ حق ہے۔

۱۹۔ یہ بشارت غالباً اُن کی وفات کے وقت اُنھیں دی گئی۔ آگے 'مِنْۢ بَعْدِهٖ' کے الفاظ سے اِس کی تائید ہوتی ہے۔

۲۰۔ یعنی اُس کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد۔

۲۱۔ یعنی آسمان سے فرشتوں کی کوئی فوج نہیں اتارنی پڑی، بلکہ ایک ڈانٹ ہی کافی ہو گئی۔ یہ اُس عذاب کا حوالہ ہے جو فرعون اور اُس کے اعیان و اکابر کی غرقابی کے بعد اہل مصر پر آیا۔ سورۂ اعراف (۷) کی آیت ۱۳۷ میں قرآن نے اِس کا ذکر نہایت واضح الفاظ میں کیا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"... ہر چند یہ عذاب اصلاً حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کی تکذیب کے نتیجے میں آیا، لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے اِس کو اُس بندۂ مومن کی تکذیب کے نتیجے کی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے۔ اِس سے رسول کے ساتھیوں کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اُن کا یہ درجہ ہوتا ہے کہ اُن کی تکذیب رسول کی تکذیب کے ہم معنی بن جاتی ہے اور اُس کا وہی انجام ہوتا ہے جو رسول کی تکذیب کا ہوتا ہے۔" (تدبر قرآن ۶/ ۴۱۸)

مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٠﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا
قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٣١﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا
مُحْضَرُوْنَ ﴿٣٢﴾

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ
يَاْكُلُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ
الْعُيُوْنِ ﴿٣٤﴾ ۙ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٥﴾

---

بندوں پر، اُن کے پاس جو رسول بھی آیا، وہ اُس کا مذاق ہی اڑاتے رہے ہیں۔ (تمھارے مخاطبین بھی، اے پیغمبر، اِس وقت یہی کر رہے ہیں)۔ کیا اِنھوں نے دیکھا نہیں کہ اِن سے پہلے کتنی قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا کہ اِن کے لوگ، اب اِن کی طرف کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے اور کچھ شک نہیں کہ (ایک دن) یہ سب ہمارے ہی حضور میں اکٹھے حاضر کیے جائیں گے۔[22] **۲۸-۳۲**

(یہ نشانیاں مانگتے ہیں)۔ حقیقت یہ ہے کہ اِن کے لیے مردہ زمین ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ ہم نے (آسمان سے پانی برسا کر) اُس کو زندہ کیا اور اُس سے غلہ اگایا کہ یہ اُس میں سے کھاتے ہیں۔ اور ہم نے کھجوروں اور انگوروں کے باغ اُس میں لگائے اور اُس میں چشمے نکال کر بہائے کہ یہ اُس کے پھل کھائیں[23] ـــــ یہ اِن کے ہاتھوں نے نہیں بنائے ہیں۔ پھر کیا شکر نہیں کرتے! **۳۳-۳۵**

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

---

۲۲۔ اصل الفاظ ہیں: 'وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ'۔ اِن میں 'اِنْ' درحقیقت 'اِنَّ' ہے جس میں تخفیف ہو گئی ہے اور 'ل' کے بجاے 'لَمَّا' اشباع کے اصول پر محض آہنگ کو برقرار رکھنے کے لیے آ گیا ہے۔

۲۳۔ یعنی زمین کے پھل۔ آیت میں اِس کے لیے ضمیر مذکر 'علیٰ سبیل التاویل' آئی ہے۔ یہ اِس بات کا اشارہ ہے کہ اِس سے 'بلد طیب' مراد ہے۔ اِس لیے کہ یہاں زمین کی بارآوری کا ذکر مقصود ہے اور یہ زرخیز زمین ہی سے متوقع ہو سکتی ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ
وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٦﴾
وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿٣٧﴾ۙ وَالشَّمْسُ
تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٣٨﴾ؕ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ
مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿٣٩﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ
الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿٤٠﴾

---

پاک ہے وہ ذات[٢٤] جس نے سب جوڑے بنائے، اُن چیزوں کے بھی جنھیں زمین اگاتی ہے اور خود اِن لوگوں کے اندر سے بھی اور اُن چیزوں کے بھی جنھیں یہ جانتے نہیں ہیں۔[٢٥] ٣٦

اور اِن کے لیے رات بھی بہت بڑی نشانی ہے۔ ہم اُس سے دن کو کھینچ کر نکال لیتے ہیں تو دیکھتے دیکھتے وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ سورج (اِسی مقصد سے) اپنے ایک مقرر راستے پر چلتا ہے۔ یہ خداے عزیز و علیم کا باندھا ہوا اندازہ ہے۔ اور چاند کے لیے (اِسی کے پیش نظر) ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں، یہاں تک کہ (اِن سے گزرتا ہوا) وہ ایک مرتبہ پھر کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح ہو کے رہ جاتا ہے۔ نہ سورج کی مجال ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے۔ سب ایک ایک مدار میں گردش کر رہے ہیں۔[٢٦] ٣٧-٤٠

---

٢٤۔ یعنی اِس بات سے پاک کہ اُس کا کوئی شریک و سہیم ہو یا اُس کے بارے میں یہ خیال کیا جائے کہ اُس نے یہ دنیا بغیر کسی مقصد کے بنا دی ہے۔

٢٥۔ چنانچہ دیکھتے ہو کہ اِس تنوع اور گونا گونی کے باوجود اِن جوڑوں کے اندر مقصد کی کیسی ہم آہنگی اور توافق کی کیسی سازگاری ہے۔ یہ اپنے وجود سے شہادت دے رہی ہے کہ اِس کائنات میں ایک ہی خداے لاشریک کا ارادہ کارفرما ہے، اِس میں کسی دوسرے کے لیے دخل اندازی کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔

٢٦۔ اور اِس طرح گواہی دے رہے ہیں کہ اِن کے پیچھے ایک قاہر و مقتدر اور علیم و حکیم ہستی ہے جس نے

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿٤١﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ
مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿٤٣﴾
اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿٤٤﴾

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ

---

اور اِن کے لیے ایک بہت بڑی نشانی یہ بھی ہے کہ اِن کی نسل کو[27] ہم نے اِن سے بھری ہوئی کشتیوں میں اٹھار کھا ہے اور کشتی کے مانند اِن کے لیے (خشکی میں سفر کی) چیزیں بھی ہم نے پیدا کر دی ہیں[28] جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم چاہیں تو اِن کو غرق کر دیں، پھر نہ کوئی اِن کی فریاد سننے والا ہو اور نہ یہ بچائے جا سکیں۔ مگر یہ ہماری رحمت ہے اور اِن کو ایک معین وقت تک بہرہ مند کرنا (منظور) ہے۔ ۴۱-۴۴

اِنھیں جب متنبہ کیا جاتا ہے کہ تمھارے آگے اور تمھارے پیچھے جو (زمین و آسمان تمھیں

---

ہر چیز کو اپنے بنائے ہوئے نقشے اور اپنے طے شدہ منصوبے کے مطابق کام میں لگا رکھا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"... یہ اِس بات کا نہایت واضح ثبوت ہے کہ اِس کائنات کی ہر چیز کی باگ ایک ہی خداے قدیر و علیم کے ہاتھ میں ہے اور وہی تنہا ہر چیز کا مالک و مختار ہے۔ اگر اُس کے سوا کسی اور کا بھی اِس میں کوئی دخل ہوتا تو یہ دنیا اپنے اضداد کے تصادم میں تباہ ہو جاتی۔ خاص طور پر یہ حقیقت تو بالکل نمایاں ہے کہ جو چیزیں جتنی ہی زیادہ نمایاں ہیں اور جن کے نمایاں ہونے ہی کی بنا پر قوموں نے اُن کو معبود مان کر اُن کی پرستش کی، وہ اپنے وجود ہی سے یہ اعلان کر رہی ہیں کہ وہ سب سے زیادہ مسخر و محکوم ہیں، مجال نہیں ہے کہ وہ اپنے دائرۂ کار سے ایک انچ بھی اِدھر یا اُدھر سرک سکیں۔" (تدبر قرآن ۶/۴۲۶)

۲۷۔ یعنی اِن کے ابناے نوع کو۔ اِس سے بنی آدم مراد ہیں۔

۲۸۔ یعنی گھوڑے اور اونٹ وغیرہ۔ اِس زمانے میں جو نئی سواریاں ایجاد ہوئی ہیں، اُن کو بھی اِسی حکم میں سمجھیے۔

تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾
وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً

---

گھیرے ہوئے)[۲۹] ہیں، اُن سے ڈرو،[۳۰] اِس لیے کہ تم پر رحم کیا جائے تو سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔[۳۱] اور اِن کے پروردگار کی نشانیوں میں سے جو نشانی بھی اِن کے پاس آتی ہے، اُس سے اعراض ہی کرتے ہیں۔ اور جب اِن سے کہا جاتا ہے کہ جو رزق خدا نے تمھیں بخشا ہے، اُس میں سے (اُس کی راہ میں) خرچ کرو تو یہ لوگ جنھوں نے (پیغمبر کا) انکار کر دیا ہے، ماننے والوں سے کہتے ہیں کہ کیا ہم اُن لوگوں کو کھلائیں جنھیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا؟ تم لوگ تو صریح گم راہی میں پڑے ہو۔[۳۲] ۴۵-۴۷

پوچھتے ہیں کہ اچھا، (ہم پر عذاب کی) یہ دھمکی کب پوری ہو گی، اگر تم لوگ سچے ہو؟ یہ لوگ

---

۲۹۔ اصل میں یہ الفاظ محذوف ہیں۔ سورۂ سبا (۳۴) کی آیت ۹ میں قرآن نے اِنھیں کھول دیا ہے۔

۳۰۔ اِس لیے کہ زمین تمھارے سمیت کہیں دھنسا نہ دی جائے اور آسمان سے تم پر ٹکڑے نہ گرا دیے جائیں۔

۳۱۔ یہ 'اِذَا' کا جواب ہے جو آیت میں بربنائے قرینہ حذف کر دیا گیا ہے۔

۳۲۔ اِس لیے کہ ہمیں ایک ایسا کام کرنے کے لیے کہہ رہے ہو جسے خود خدا نے کرنا پسند نہیں کیا، دراں حالیکہ اُس کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ قرآن نے اِس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"...اِس لیے کہ اِس کی قساوت و سفاہت اِس قدر واضح ہے کہ اِس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں تھی۔ مقصود بس یہ دکھانا ہے کہ جب دل بگڑتے ہیں اور عقل الٹتی ہے تو آدمی کا حال یہ ہو جاتا ہے۔"

(تدبر قرآن ۶/۴۲۸)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَّاحِدَةً تَاۡخُذُهُمۡ وَهُمۡ يَخِصِّمُوۡنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ تَوۡصِيَةً وَّلَاۤ اِلٰٓى
اَهۡلِهِمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۵۰﴾

---

ایک ڈانٹ ہی کے منتظر ہیں جو اِنھیں آ پکڑے گی[۴۳] اور یہ جھگڑتے رہ جائیں گے۔ پھر نہ کوئی وصیت کر پائیں گے اور نہ اپنے لوگوں کی طرف لوٹ سکیں گے۔۴۸-۵۰

---

۴۳۔ مطلب یہ ہے کہ اِن کے اِس مطالبے کو پورا کرنے کے لیے کسی بڑے اہتمام اور تیاریوں کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کی ایک ڈانٹ ہی کافی ہو گی جس سے یہ تمام کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا اور جو جہاں ہے، وہیں سے دبوچ لیا جائے گا۔ یہ خدا کی رحمت و عنایت ہے کہ وہ اِنھیں مہلت دے رہا ہے۔ ایسی احمقانہ باتوں کے بجاے اِنھیں اِس مہلت سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ڈاکٹر محمد عمار خان ناصر

# قرآن مجید میں اختلاط مرد وزن کے احکام

## مختلف تعبیرات کی تفہیم اور تجزیہ

(۲)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

### جمہور اہل علم کا موقف اور استدلال

حجاب کے وجوب کے قائل اہل علم کے نقطۂ نظر اور استدلال کی وضاحت کے بعد اب ہم جمہور اہل علم کے نقطۂ نظر کے استدلال کی وضاحت کریں گے، جن کے نزدیک عام حالات میں مسلمان خواتین پر اپنے چہرے کو غیر محرم مردوں سے چھپا کر رکھنے کی کوئی پابندی شریعت نے عائد نہیں کی اور یہ کہ ایسے کسی اہتمام کا تعلق بنیادی طور پر خواتین کے اپنے انفرادی ذوق اور رجحان سے یا گرد و پیش کے حالات سے ہے۔ جمہور اہل علم کے نزدیک متعارض قیاسات میں سے یہ قیاس نصوص کے عمومی ماحول سے زیادہ ہم آہنگ ہے کہ چونکہ مرد وزن کا اختلاط ایک عملی معاشرتی ضرورت ہے اور تعارف، گفتگو یا روزمرہ کے لین دین کے لیے چہرے یا ہاتھ پاؤں کو کھلا رکھنا خواتین کے لیے ناگزیر ہے، اس لیے خواتین کو اس کا پابند بنانا مشقت اور حرج کا موجب ہے اور اسے شریعت کا مقصود قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس زاویۂ نظر سے جمہور اہل علم کی طرف سے قرآن مجید کے متعلقہ نصوص کی تعبیر و تشریح جس طرح کی گئی ہے، ذیل میں اس کی تفصیل پیش کی جائے گی۔

## سورۂ نور کی ہدایات کا مفہوم

سورۂ نور کی زیر بحث آیت اس بحث میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے اور یہاں 'وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا' کے الفاظ کلیدی ہیں۔ جمہور اہل علم کے مابین یہاں 'زینت' کا لغوی مفہوم متعین کرنے میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اہل علم اس سے مراد صرف مصنوعی زینت، یعنی آرایش وزیبایش لیتے ہیں، جو خواتین لباس اور زیور وغیرہ کی صورت میں اختیار کرتی ہیں، جب کہ بعض کے نزدیک اس کے مفہوم میں مصنوعی کے علاوہ خلقی زینت، یعنی خواتین کا جسمانی حسن و جمال بھی شامل ہے (ابن العربی، احکام القرآن ۳/ ۳۸۱-۳۸۲۔ رازی، مفاتیح الغیب ۲۳/ ۲۰۶)۔ دوسری تفسیر کی رو سے 'مَا ظَهَرَ مِنْهَا' کا مصداق جسم کے وہ اعضا ہیں جو عادتاً ظاہر ہوتے ہیں، جیسے چہرہ اور ہاتھ پاؤں، جب کہ پہلی تفسیر کے مطابق اس کا براہ راست مصداق تو آرایش و زیبایش ہے، جب کہ ان اعضا پر اس کی دلالت ثانوی ہے، جن پر زینت اختیار کی گئی ہے۔ یوں زینت کے لغوی مفہوم کی تعیین میں اس جزوی اختلاف کے باوجود جمہور اہل علم اس نتیجے پر متفق ہیں کہ چہرے اور ہاتھ پاؤں کو اور ان پر کی گئی زیبایش کو چھپانے کی پابندی خواتین پر عائد نہیں ہوتی۔

'مَا ظَهَرَ مِنْهَا' کا مصداق چہرے اور ہاتھ پاؤں کو قرار دینے اور اس سے پردے کا عدم وجوب اخذ کرنے کے لیے جمہور اہل علم نے مختلف قرائن اور دلائل پیش کیے ہیں، جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ پہلا قرینہ لسانی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ 'اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا' کی تعبیر لغوی و لسانی دلالت کے لحاظ سے کسی ایسی چیز کی طرف اشارہ کر رہی ہے جس کا کھلا اور ظاہر ہونا مخاطبین پر پہلے سے واضح ہے۔ چونکہ انسانی تمدن میں مرد اور عورت عموماً مذکورہ اعضا کو کھلا رکھتے ہیں، اس لیے 'اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا' کا متبادر مفہوم یہی بنتا ہے کہ ان اعضا اور ان پر کی گئی زینت، اخفاے زینت کے حکم میں شامل نہیں۔

زمخشری لکھتے ہیں:

معنى قوله ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ يعني إلا ما جرت العادة والجبلة على ظهوره والأصل فيه الظهور. (الکشاف ۴/ ۲۰۹، ۲۹۱)

''اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا' سے مراد وہ اعضا ہیں جو انسانوں کی عام معمول اور جبلت کے لحاظ سے کھلے ہی ہوتے ہیں اور ان کا کھلا ہونا ہی اصل ہے۔''

آلوسی اس نکتے کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ أي إلا ما جرت

''ظاہری زینت سے مراد وہ چیزیں ہیں جو فطری

العادة والجبلة على ظهوره والأصل فيه الظهور كالخاتم والفتخة والكحل والخضاب فلا مؤاخذة في إبدائه للأجانب وإنما المؤاخذة في إبداء ما خفي من الزينة كالسوار والخلخال والدملج والقلادة والإكليل والوشاح والقرط.(روح المعانی ۳۳۵/۹)

طور پر ظاہر ہوتی ہیں، انسان عادتاً ان کو کھلا رکھتے ہیں اور ان کا کھلا ہونا ہی اصل ہے، جیسے انگوٹھی، چھلا، سرمہ اور منہدی۔ ایسی زینت کو غیر محرموں کے سامنے ظاہر کرنے میں کوئی مواخذہ نہیں، بلکہ مواخذہ صرف اس زینت کو ظاہر کرنے پر ہے جو مخفی ہو، جیسے کنگن، پازیب، بازوبند، ہار، تاج اور بالیاں۔‘‘

اس تفسیر کے لیے جمہور اہل علم عبد اللہ بن عباس اور دیگر اکابر صحابہ وتابعین سے منقول آثار سے بھی استشہاد کرتے ہیں۔ یہ آثار امام طبری نے یوں نقل کیے ہیں:

عن ابن عباس قال: الكحل والخاتم ... عن ابن عباس قال: الظاهر منها الكحل والخدان ... عن سعيد بن جبير قال: الوجه والكف ... عن الضحاك قال: الكف والوجه ... قال الحسن: الوجه والثياب.(تفسیر الطبری ۲۵۸/۱۷-۲۶۱)

’’ابن عباس نے کہا کہ ظاہری زینت سے مراد سرمہ، انگوٹھی اور رخسار ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا کہ اس کا مصداق چہرہ اور ہاتھ ہیں۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہاتھ اور چہرہ ہے۔ حسن نے کہا کہ اس میں چہرہ اور لباس شامل ہے۔‘‘

یہاں بعض اہل علم کے اس استدلال پر مختصر تبصرہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ’مَا ظَهَرَ مِنْهَا‘ سے مراد ایسی زینت ہے جو بلا ارادہ اور اچانک ظاہر ہو جائے یا اس کا چھپانا ممکن نہ ہو اور اس کا ظاہر ہونا ناگزیر ہو۔ ان حضرات کے نزدیک یہاں جو استثنا بیان کی گئی ہے، اس کا مصداق ایسی صورتیں ہیں جب اٹھتے بیٹھتے ہوئے یا ہوا کے چلنے سے بلا ارادہ زینت کا کوئی حصہ ظاہر ہو جائے یا پھر لباس کے بیرونی حصے کا ظاہر ہونا مراد ہے جسے چھپانا بدیہی طور پر ممکن نہیں*۔

یہ تفسیر اس لیے درست معلوم نہیں ہوتی کہ عربی زبان میں کسی پوشیدہ چیز کے ظاہر ہو جانے کے لیے ’ظهر‘ کی نہیں، بلکہ ’بدا‘ کی تعبیر استعمال کی جاتی ہے، جیسا کہ سورۂ نور کی زیر بحث آیت میں بھی چھپی ہوئی

* اس کی وضاحت گذشتہ سطور میں مولانا اصلاحی اور مولانا مودودی کے حوالے سے گزر چکی ہے۔

زینت کے اظہار کے لیے 'لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ' کے الفاظ آئے ہیں۔ 'ظہر' کا استعمال وہاں ہوتا ہے جب کوئی چیز خود بہ خود ظاہر ہو۔ اسی لیے 'ظہر' اور 'ظاہر' کا استعمال عموماً 'بطن' اور 'باطن' کے تقابل میں ہوتا ہے اور مراد ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو ظاہر و معلوم یا مخفی اور پوشیدہ ہوں۔ مثلاً ارشاد باری ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ.(الانعام ۶:۱۵۱)

"اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ، وہ جو کھلے اور ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ ہوں۔"

بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ.(الحدید ۵۷:۱۳)

"اس دیوار کے اندرونی جانب رحمت ہو گی اور اس کی بیرونی جانب اللہ کی طرف سے عذاب ہو گا۔"

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً. (لقمان ۳۱:۲۰)

"اور اس نے اپنی نعمتیں تم پر نچھاور کیں، کھلی بھی اور چھپی بھی۔"

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً.(سبا ۳۴:۱۸)

"اور ہم نے قوم سبا کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی تھی، نمایاں بستیاں آباد کیں۔"

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

راغب اصفہانی اس لفظ کے اصل مفہوم کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وظَهَرَ الشّيءُ أصله: أن يحصل شيء على ظَهْرِ الأرضِ فلا يخفى، وبَطَنَ إذا حصل في بطنان الأرض فيخفى، ثمّ صار مستعملًا في كلّ بارز مبصر بالبصر والبصيرة. (المفردات فی غریب القرآن ۵۴۱)

"'ظَهَرَ الشّيءُ' کا اصل مفہوم یہ ہے کہ کوئی چیز زمین کی سطح پر اس طرح موجود ہو کہ چھپی نہ رہے۔ اس کے برعکس 'بَطَنَ' کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز زمین کے اندر اور پوشیدہ ہے۔ پھر اس کا استعمال ہر ایسی چیز کے متعلق ہونے لگا جو نمایاں ہو اور آنکھوں سے یا بصیرت کی نگاہ سے صاف دیکھی جا سکے۔"

۲۔ جمہور اہل علم دوسرا اہم قرینہ احکام شرعیہ کے داخلی عرف کے حوالے سے پیش کرتے ہیں۔ مثلاً امام طبری نے یہ استدلال پیش کیا ہے کہ شریعت میں چونکہ چہرے اور ہاتھ پاؤں کا ستر میں داخل نہ ہونا مسلم ہے اور اسی وجہ سے نماز اور حالت احرام میں خواتین ان اعضا کو کھلا رکھتی ہیں، اس لیے 'اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا' کو

بھی شریعت کے اسی معروف پر محمول کرنا چاہیے۔ امام طبری فرماتے ہیں:

وأولى الأقوال في ذالك بالصواب قول من قال: عنى بذالك الوجه والكفان، يدخل في ذالك إذا كان كذالك الكحل، والخاتم، والسوار، والخضاب. وإنما قلنا ذالك أولى الأقوال في ذالك بالتأويل لإجماع الجميع على أن على كلّ مصل أن يستر عورته في صلاته، وأن للمرأة أن تكشف وجهها وكفيها في صلاتها، وأن عليها أن تستر ما عدا ذالك من بدنها، إلا ما روي عن النبي ﷺ أنه أباح لها أن تبديه من ذراعها إلى قدر النصف. فإذا كان ذالك من جميعهم إجماعًا، كان معلومًا بذالك أن لها أن تبدي من بدنها ما لم يكن عورة، كما ذالك للرجال؛ لأن ما لم يكن عورة فغير حرام إظهاره؛ وإذا كان لها إظهار ذالك، كان معلومًا أنه مما استثناه الله تعالى ذكره، بقوله: ﴿**إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا**﴾ لأن كل ذالك ظاهر منها. (تفسیر الطبری ۱۷/ ۲۶۱-۲۶۲)

”ان اقوال میں سے درست ترین بات یہ ہے کہ اس سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں۔ اسی طرح سرمہ، انگوٹھی، کنگن اور منہدی بھی اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اس قول کے سب سے عمدہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر نمازی کے لیے نماز کی حالت میں اپنے ستر کو چھپا کر رکھنا ضروری ہے، جب کہ عورت کو نماز میں چہرہ اور ہاتھ کھلا رکھنے کی اجازت اور اس کے علاوہ باقی سارے جسم کو ڈھانپ کر رکھنا واجب ہے۔ ہاں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے عورت کو اپنے بازو کے اگلے حصے کے نصف تک کھلا رکھنے کی اجازت دی۔ چنانچہ جب اس پر اتفاق ہے تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ عورت کے جسم کے جو حصے ستر میں شامل نہیں، وہ انھیں کھلا رکھ سکتی ہے، جیسا کہ مردوں کا بھی یہی حکم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو اعضا ستر میں شامل نہیں، ان کو کھلا رکھنا بھی ممنوع نہیں۔ پس جب عورت کے لیے ہاتھ اور پاؤں کو (نماز کی حالت میں) کھلا رکھنا جائز ہے تو اس سے معلوم ہو گیا کہ 'اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا' میں اللہ تعالیٰ نے جس چیز کی استثنا بیان کی ہے، اس سے مراد بھی چہرہ اور ہاتھ ہی ہیں، کیونکہ عورت کے یہی اعضا کھلے ہو سکتے ہیں۔“

www.javedahmadghamidi.com

امام بغوی لکھتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: الْكُحْلُ وَالْخَاتَمُ وَالْخِضَابُ فِي الْكَفِّ. فَمَا كَانَ مِنَ الزِّينَةِ الظَّاهِرَةِ جَازَ لِلرَّجُلِ الْأَجْنَبِيِّ النَّظَرُ إِلَيْهِ إِذَا لَمْ يَخَفْ فِتْنَةً وَشَهْوَةً، فَإِنْ خَافَ شَيْئًا مِنْهَا غَضَّ الْبَصَرَ، وَإِنَّمَا رُخِّصَ فِي هَذَا الْقَدْرِ أَنْ تُبْدِيَهُ الْمَرْأَةُ مِنْ بَدَنِهَا لِأَنَّهُ لَيْسَ بِعَوْرَةٍ وَتُؤْمَرُ بِكَشْفِهِ فِي الصَّلَاةِ وَسَائِرُ بَدَنِهَا عَوْرَةٌ يَلْزَمُهَا سَتْرُهُ. (معالم التنزیل ۶/ ۳۴)

”ابن عباس نے کہا کہ اس سے مراد سرمہ، انگوٹھی اور ہاتھوں پر لگی منہدی ہے۔ چنانچہ جو زینت ظاہر ہو، غیر محرم کے لیے اس کو دیکھنا جائز ہے، بشرطیکہ فتنے یا شہوت کا خدشہ نہ ہو۔ اگر اس کا خدشہ ہو تو وہ غض بصر سے کام لے۔ عورت کے لیے اپنے بدن کے اتنے حصے کو کھلا رکھنے کی گنجایش اس لیے دی گئی ہے کہ یہ اعضا ستر کا حصہ نہیں ہیں اور ان کو نماز میں بھی کھلا رکھنے کی ہدایت ہے۔ ان کے علاوہ عورت کا سارا جسم ستر ہے جس کو چھپانا اس پر لازم ہے۔“

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

مولانا مودودی نے جمہور اہل علم کے اس استدلال کو یوں تعبیر کیا ہے کہ یہ حضرات ستر اور حجاب کے مسئلے کو گڈ مڈ کرتے ہوئے حجاب کو ستر پر قیاس کر رہے ہیں اور ان کا استدلال، گویا یہ ہے کہ چونکہ چہرہ ستر میں داخل نہیں، اس لیے اس کو کھلا رکھنا جائز ہے۔ مولانا اس استدلال کو عجیب قرار دیتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ حجاب، ستر سے زائد ایک حکم ہے، اس لیے حجاب کے حدود ستر کے اصول سے اخذ کرنا درست نہیں ہو سکتا۔ تاہم مولانا نے جمہور کے استدلال کی درست تعبیر نہیں کی۔ جمہور کا استدلال یہ نہیں کہ جو حدود ستر کے ہیں، قیاساً وہی اظہار و اخفاے زینت کے بھی ہونے چاہییں۔ جمہور کا استدلال، جیسا کہ امام طبری کے مذکورہ اقتباس سے واضح ہے، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اخفاے زینت کا حکم دیتے ہوئے 'اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا' سے جو استثنا بیان کی ہے، اس کا مصداق متعین کرنے میں شریعت کے اس حکم سے رہنمائی ملتی ہے کہ چہرہ، ستر میں داخل نہیں۔ دوسرے لفظوں میں، یہ تعبیر ستر کے حوالے سے شریعت کے عرف کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور یہ بتا رہی ہے کہ عورت کے جو اعضا ستر میں شامل نہیں، وہ اخفاے زینت کے حکم سے بھی مستثنیٰ ہیں۔ بہ الفاظ دیگر یہ کوئی قیاسی استدلال نہیں ہے، بلکہ ایک حکم کا مفہوم شریعت کے عرف کی روشنی میں متعین کرنے کی مثال ہے۔

۳۔ جمہور اہل علم کے پیش نظر یہ نکتہ بھی ہے کہ زیر بحث آیت میں جسمانی اعضا میں سے سر کو اوڑھنی سے ڈھانکنے کی ہدایت مضمراً، جب کہ سینے کے گریبان کو ڈھانکنے کی ہدایت تصریحاً بیان کی گئی ہے۔ اگر چہرے کو

چھپانا بھی مطلوب ہوتا تو اس کی تصریح بھی اسی اسلوب بیان میں ہونی چاہیے تھی۔ یوں چہرے سے عدم تعرض اور اس کے ساتھ ظاہری زینتوں کو اخفا کے حکم سے مستثنٰی قرار دینے کا اسلوب اس بات کی واضح دلیل بن جاتا ہے کہ جن اعضا کو خواتین عادتاً کھلا رکھتی ہیں، ان کو حالت زینت میں بھی چھپانے کی پابندی شریعت عائد نہیں کرنا چاہتی۔ چنانچہ عہد نبوی میں خواتین نے اس آیت کا جو مدعا سمجھا، وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی درج ذیل روایت سے واضح ہوتا ہے:

قَالَتْ عَائِشَةُ، رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: إِنَّ لِنِسَاءِ قُرَيْشٍ لَفَضْلًا وَإِنِّي -وَاللهِ- وَمَا رَأَيْتُ أفضلَ مِنْ نِسَاءِ الْأَنْصَارِ أَشَدَّ تَصْدِيقًا بِكِتَابِ اللهِ، وَلَا إِيمَانًا بِالتَّنْزِيلِ. لَقَدْ أُنْزِلَتْ سُورَةُ النُّورِ: ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ﴾، انْقَلَبَ إِلَيْهِنَّ رِجَالُهُنَّ يَتْلُونَ عَلَيْهِنَّ مَا أَنْزَلَ اللهُ إِلَيْهِمْ فِيهَا، وَيَتْلُو الرَّجُلُ عَلَى امْرَأَتِهِ وَابْنَتِهِ وَأُخْتِهِ، وَعَلَى كُلِّ ذِي قَرَابَتِهِ، فَمَا مِنْهُنَّ امْرَأَةٌ إِلَّا قَامَتْ إِلَى مِرْطها المُرَحَّل فَاعْتَجَرَتْ بِهِ، تَصْدِيقًا وَإِيمَانًا بِمَا أَنْزَلَ اللهُ مِنْ كِتَابِهِ، فأصبحْنَ وَرَاءَ رَسُولِ اللهِ ﷺ الصُّبْحَ مُعْتَجَرَاتٍ، كأن على رؤوسهن الغربان.
(تفسیر ابن کثیر ۲۱۹/۱۰)

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ قریش کی خواتین کو بھی فضیلت حاصل ہے، لیکن بخدا میں نے انصار کی خواتین سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ اللہ کی کتاب کی تصدیق کرنے اور قرآن کے احکام کو قبول کرنے میں ان سے افضل ہوں۔ جب سورۂ نور میں یہ حکم نازل ہوا کہ خواتین اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر ڈال لیں تو انصار کے مردوں نے گھر جا کر اپنی خواتین کو یہ حکم تلاوت کر کے سنایا جو اللہ نے ان پر اتارا تھا۔ مرد یہ حکم اپنی بیوی، بیٹی، بہن اور ہر قرابت دار خاتون کو پڑھ کر سناتے تھے۔ چنانچہ انصار میں سے کوئی بھی عورت باقی نہیں رہی جس نے اپنے اللہ کی کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے اور اس کے حکم کو قبول کرتے ہوئے اپنی منقش چادر کو لے کر اپنے سر اور گلے پر نہ ڈال لیا ہو۔ اگلی صبح جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (نماز کے لیے) آئیں تو سب اس کیفیت میں تھیں کہ سر کی اوڑھنیوں سے انھوں نے اپنے گلے کو بھی ڈھانپ رکھا تھا، ایسے دکھائی دیتا تھا جیسے ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہوں۔“

روایت سے واضح ہے کہ خواتین جو اس سے پہلے سر کو ڈھانپنے کا اہتمام نہیں کرتی تھیں، آیت کے نزول کے بعد اس کا اہتمام کرنے لگیں۔ اگر چہرے کو ڈھانپنا اس آیت کا مدعا ہوتا تو اس موقع پر اس کا اہتمام کرنے کا ذکر بھی سیدہ عائشہ کی روایت میں لازماً کیا جاتا۔

امام ابو بکر الجصاص آیت کی اس دلالت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قد قيل: إنه أراد جيب الدروع لأن النساء كن يلبسن الدروع ولها جيب مثل جيب الدراعة فتكون المرأة مكشوفة الصدر والنحر إذا لبستها فأمرهن الله بستر ذالک الموضع بقوله وليضربن بخمرهن على جيوبهن وفي ذالک دليل على أن صدر المرأة ونحرها عورة لا يجوز للأجنبي النظر إليهما منها.

(احکام القرآن ۵/۱۷۴)

''کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد قمیصوں کے گریبان کو چھپانا ہے، کیونکہ خواتین ایسی قمیصیں پہنتی تھیں جن کے گریبان کوٹ کے گریبان کی طرح کھلے ہوتے تھے اور ان کو پہننے سے عورت کے سینے کا بالائی حصہ اور چھاتی کھلی رہتی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ حکم دیا کہ جسم کے اس حصے کو چھپایا جائے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کی چھاتی اور سینے کا بالائی حصہ ستر میں شامل ہے اور غیر محرم کے لیے عورت کے ان اعضا کو دیکھنا جائز نہیں۔''

ابن عطیہ لکھتے ہیں:

وسَبَبُ هَذِهِ الآيَةِ أنَّ النِساءَ كُنَّ في ذَالِكَ الزَمانِ إذا غَطَّيْنَ رُءُوسَهُنَّ بِالخُمُرَةِ سَدَلْنَها مِن وراءِ الظَهْرِ، قالَ النِقاشَ: كَما يَصْنَعُ النَبَطُ، فَيَبْقى النَحْرُ والعُنُقُ والأُذُنانِ لا سَتْرَ عَلى ذالِكَ، فَأمَرَ اللهُ تَعالى بِلَيِّ الخِمارِ عَلى الجُيُوبِ، وهَيْئَةُ ذَالِكَ [أنْ تَضْرِبَ المَرْأةُ بِخِمارِها عَلى جَيْبِها] فَيَسْتُرُ جَمِيعَ ما ذَكَرْناهُ. وقالَتْ عائِشَةُ رَضِيَ

''اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ نزول قرآن کے زمانے میں عورتیں جب اپنے سروں پر اوڑھنیاں ڈالتی تھیں تو ان کے پلوؤں کو پیچھے پشت کی طرف ڈال دیتی تھیں، جیسے اہل نبط کرتے ہیں۔ اس سے سینے کا بالائی حصہ، گردن اور کان ننگے رہ جاتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اوڑھنی کو گریبان پر ڈالا جائے، جس کی شکل یہ ہے کہ عورت اپنی اوڑھنی کو اس طرح اپنے گریبان پر ڈالے کہ وہ تمام اعضا کو جن کا ہم نے ذکر کیا،

اللّٰهُ عنها: رَحِمُ اللّٰهُ المُهاجِراتِ الأُوَلُ، لِما نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ عَمَدْنَ إلى أَكْثَفِ المُرُوطِ فَشَقَقْنَها أَخْمِرَةً، وضَرَبْنَ بِها عَلَى الجُيُوبِ.(المحرر الوجیز ۴/۱۷۸)

چھپ جائیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولین مہاجرات پر رحمت نازل کرے، جب یہ آیت اتری تو انھوں نے اپنی سب سے دبیز چادریں لیں اور انھیں پھاڑ کر اوڑھنیاں بنا لیں اور انھیں اپنے گریبانوں پر ڈال لیا۔‘‘

ابن کثیر نے لکھا ہے:

وَقَوْلُهُ: ﴿وَلۡيَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوۡبِهِنَّ﴾ يَعْنِي: الْمَقَانِعَ يُعْمَلُ لَهَا صَنفات ضَارِبَاتٌ عَلَى صُدُورِ النِّسَاءِ، لِتُوَارِيَ مَا تَحْتَهَا مِنْ صَدْرِهَا وَتَرَائِبِهَا؛ لِيُخَالِفْنَ شعارَ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ، فَإِنَّهُنَّ لَمْ يَكُنَّ يَفْعَلْنَ ذَالِكَ، بَلْ كَانَتِ الْمَرْأَةُ تَمُرُّ بَيْنَ الرِّجَالِ مُسَفِّحَةً بِصَدْرِهَا، لَا يُوَارِيهِ شَيْءٌ، وَرُبَّمَا أَظْهَرَتْ عُنُقَهَا وَذَوَائِبَ شَعْرِهَا وَأَقْرِطَةَ آذَانِهَا. فَأَمَرَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنَاتِ أَنْ يَسْتَتِرْنَ فِي هَيْئَاتِهِنَّ وَأَحْوَالِهِنَّ، كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ يُدۡنِيۡنَ عَلَيۡهِنَّ مِنۡ جَلَابِيۡبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤى اَنۡ يُّعۡرَفۡنَ فَلَا يُؤۡذَيۡنَ﴾. وَقَالَ فِي هَذِهِ الْآيَةِ الْكَرِيمَةِ: ﴿وَلۡيَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوۡبِهِنَّ﴾ والخُمُر: جَمْعُ خِمار، وَهُوَ مَا يُخمر بِهِ،

’’اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ﴿وَلۡيَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوۡبِهِنَّ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ سر کی اوڑھنیوں کے پلو بنا کر انھیں عورتوں کے سینوں پر ڈالا جائے تاکہ ان کا سینہ اور چھاتیاں چھپ جائیں اور زمانۂ جاہلیت کی خواتین کے طرز لباس سے مسلمان خواتین کا لباس مختلف ہو جائے۔ دور جاہلیت کی خواتین سینے نہیں ڈھانپتی تھیں، بلکہ عورت اپنے سینے کو چھپائے بغیر ننگا رکھ کر مردوں کے درمیان گھومتی رہتی تھی اور بعض دفعہ اپنی گردن اور بالوں کی مینڈھیاں اور کانوں کی بالیاں بھی ظاہر کر دیتی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنی لباس کے انداز اور وضع قطع میں جسم کو چھپانے کا اہتمام کریں۔ جیسا کہ سورۂ احزاب میں فرمایا کہ ’’اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں ڈال لیا کریں۔ یہ اس کے زیادہ قرین ہے کہ ان کا (دوسری عورتوں سے) امتیاز ہو جائے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

أَيْ: يُغَطَّى بِهِ الرَّأْسُ، وَهِيَ الَّتِي تُسَمِّيهَا النَّاسُ الْمَقَانِعَ. قَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ: وَلْيَضْرِبْنَ: وَلِيَشْدُدْنَ ﴿بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ﴾ يَعْنِي: عَلَى النَّحْرِ وَالصَّدْرِ، فَلَا يُرَى مِنْهُ شَيْءٌ.(تفسیر ابن کثیر ۱۰/۲۱۸)

اور انھیں اذیت نہ پہنچائی جائے''۔ سورۂ نور کی زیر بحث آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''خواتین اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر ڈال لیں''۔ خمار اوڑھنی کو کہتے ہیں، جس سے سر ڈھانپا جاتا ہے۔ سعید بن جبیر نے اس کا مفہوم واضح کرتے ہوئے کہا کہ خواتین اپنی اوڑھنیوں کو اچھی طرح اپنے گریبانوں پر، یعنی گلے اور سینے پر ڈال لیں تاکہ گلے اور سینے کا کوئی حصہ دکھائی نہ دے۔''

۴۔ایک ضمنی اور تائیدی قرینے کے طور پر جمہور اہل علم بعض روایات کا بھی حوالہ دیتے ہیں، جن کی سند پر کلام ہے، تاہم ان سے واضح ہوتا ہے کہ عورت اپنا چہرہ اور ہاتھ کھلا رکھ سکتی ہے۔ مثال کے طور پر جلیل القدر تابعی قتادہ کہتے ہیں:

وبلغني أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تخرج يدها إلا إلى ههنا وقبض نصف الذراع.(تفسیر الطبری ۱۷/۲۵۸-۲۶۱)

''مجھے روایت پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مومن عورت کے لیے اپنے بازو کو صرف یہاں تک لباس سے باہر نکالنا جائز ہے اور آپ نے بازو کے نصف حصے تک اشارہ کیا۔''

امام قرطبی لکھتے ہیں:

لَمَّا كَانَ الْغَالِبُ مِنَ الْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ ظُهُورُهُمَا عَادَةً وَعِبَادَةً وَذَالِكَ فِي الصَّلَاةِ وَالْحَجِّ، فَيَصْلُحُ أَنْ يَكُونَ الِاسْتِثْنَاءُ رَاجِعًا إِلَيْهِمَا. يَدُلُّ عَلَى ذَالِكَ مَا رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا دَخَلت عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ

''چونکہ چہرہ اور ہاتھ عام حالات میں بھی اور عبادت کے دوران میں، یعنی نماز اور حج میں بھی عموماً ننگے ہوتے ہیں، اس لیے وہ 'اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا' کے جملے کا مصداق بن سکتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ ابو داؤد نے اپنی سنن میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو انھوں

وَعَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ، فَأَعْرَضَ عَنْهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَقَالَ لَهَا: «يَا أَسْمَاءُ، إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيضَ لَمْ يَصْلُحْ أَنْ يُرَى مِنْهَا إِلَّا هَذَا» وَأَشَارَ إِلَى وَجْهِهِ وَكَفَّيْهِ. فَهَذَا أَقْوَى مِنْ جَانِبِ الِاحْتِيَاطِ، وَلِمُرَاعَاةِ فَسَادِ النَّاسِ فَلَا تُبْدِي الْمَرْأَةُ مِنْ زِينَتِهَا إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْ وَجْهِهَا وَكَفَّيْهَا.(الجامع لاحکام القرآن ۱۵/ ۲۱۳)

نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ ان کی طرف سے پھیر لیا اور فرمایا کہ اے اسماء، جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے جسم کے ان دو حصوں کے علاوہ کوئی حصہ دکھائی نہیں دینا چاہیے۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ فرمایا۔ چنانچہ احتیاط کے پہلو سے اور لوگوں کی خرابی کی رعایت سے یہ تعبیر زیادہ قوی ہے۔ پس عورت کو اپنی زینت میں سے صرف وہی ظاہر کرنی چاہیے جو اس نے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر کی ہو۔''

علامہ بدر الدین العینی فرماتے ہیں:

واختار العلماء قول علي وابن عباس رضي الله عنهم ، فكذالك اختاره المصنف، قال علي وابن عباس رضي الله عنهما: ما ظهر منها الكحل والخاتم ... ولو استدل في ذالك بالحديث المرفوع لكان أولى وأحسن وهو ما رواه أبو داود في سننه بإسناده إلى عائشة رضي الله عنها أن أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنهما دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقال: «يا أسماء، إذا بلغت المرأة المحيض

''علما نے سیدنا علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے قول کو راجح قرار دیا ہے اور مصنف نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ علی اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ 'ما ظهر منها' سے مراد سرمہ اور انگوٹھی ہے۔ اس سلسلے میں اگر (صحابہ کے اقوال کے علاوہ) مرفوع حدیث سے بھی استدلال کیا جائے تو وہ زیادہ بہتر اور عمدہ ہوگا۔ یہ روایت ابو داؤد نے اپنی سنن میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو انھوں نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے رخ پھیر لیا اور فرمایا کہ اے اسماء،

لا يصلح أن يرى منها إلا هذا وهذا»، وأشار إلى وجهه وكفه.
(البناية شرح الهداية للمرغيناني۱۲/۱۲۸)

جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے جسم کے ان دو حصوں کے علاوہ کوئی حصہ دکھائی نہیں دینا چاہیے۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ فرمایا۔“

ابن کثیر نے لکھا ہے:

وَيُحْتَمَلُ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَمَنْ تَابَعَهُ أَرَادُوا تَفْسِيرَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا بِالْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ، وَهَذَا هُوَ الْمَشْهُورُ عِنْدَ الْجُمْهُورِ، وَيُسْتَأْنَسُ لَهُ بِالْحَدِيثِ الَّذِي رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ فِي سُنَنِهِ: .... أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَعَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ، فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَقَالَ: «يَا أَسْمَاءُ، إن المرأة إذا بلغت المحيض لم يَصْلُحْ أَنْ يُرَى مِنْهَا إِلَّا هَذَا» وَأَشَارَ إِلَى وَجْهِهِ وَكَفَّيْهِ.
(تفسیر ابن کثیر ۱۰/۲۱۸)

”یہ احتمال ہے کہ ابن عباس اور ان کی موافقت کرنے والے ظاہری زینت کی تفسیر چہرے اور ہاتھوں سے کرنا چاہتے ہیں اور یہی جمہور اہل علم کے نزدیک مشہور تفسیر ہے۔ اس کے حق میں ابوداؤد کی روایت کردہ اس حدیث سے استشہاد کیا جا سکتا ہے کہ اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حالت میں آئیں کہ انھوں نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اے اسماء، جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے جسم کے ان دو حصوں کے علاوہ کوئی حصہ دکھائی نہیں دینا چاہیے۔ آپ نے چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ فرمایا۔“

۵۔ جمہور اہل علم اس بحث میں خاص طور پر ان احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جن کی رو سے نکاح کے لیے خاتون کا انتخاب کرتے ہوئے اسے دیکھ لینا مستحب ہے۔ اس ضمن کی چند معروف روایات حسب ذیل ہیں:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی انصاری خاتون سے نکاح کا ارادہ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے اس کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا:

فاذهب فانظر إليها فإن في أعين الأنصار شيئًا. (مسلم، رقم ۱۴۲۴)

”جاؤ اور اس کو دیکھو، کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے۔“

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إذا خطب أحدكم المرأة فإن استطاع أن ينظر إلى ما يدعوه إلى نكاحها فليفعل.(سنن ابی داؤد، رقم ۲۰۸۲)

"جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیغام دینا چاہے تو اگر اس کے لیے ممکن ہو کہ وہ اس کے محاسن کو دیکھ سکے جن سے اس کے ساتھ نکاح کی رغبت پیدا ہو سکتی ہے تو وہ ایسا کر لے۔"

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک خاتون کو نکاح کا پیغام دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا:

انظر إليها فإنه أحرى أن يودم بينكما. (ترمذی، رقم ۱۰۸۷)

"اس کو دیکھ لو، اس سے تمھارے مابین موافقت پیدا ہونے کا زیادہ امکان ہے۔"

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إذا ألقى الله في قلب امرئ خطبة امرأة فلا بأس أن ينظر إليها. (ابن ماجہ، رقم ۱۸۶۴)

"جب اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں کسی عورت کے ساتھ نکاح کا ارادہ ڈال دے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اس کو دیکھ لے۔"

ان احادیث کا بدیہی تقاضا یہ ہے کہ خواتین کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں کھلے ہوں اور نکاح کے خواہش مند مردان کو دیکھ سکیں (جصاص، احکام القرآن ۵/ ۱۷۳۔ سرخسی، المبسوط ۱۰/ ۱۵۲- ۱۵۳)۔ جصاص نے اس کی تائید میں سورۂ احزاب کی آیت میں وارد 'وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ' (۳۳: ۵۲) کی تعبیر سے بھی استدلال کیا ہے۔ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پابند کیا جا رہا ہے کہ آپ اپنی موجودہ ازواج کو چھوڑ کر ان کی جگہ دوسری خواتین سے نکاح نہیں کر سکتے، چاہے آپ کو ان کا حسن وجمال کتنا ہی بھائے۔ جصاص کہتے ہیں کہ خواتین کے حسن وجمال کا بھانا اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ان کے چہرے کھلے ہوں اور آدمی ان کو دیکھ سکتا ہو (احکام القرآن ۵/ ۱۷۳)۔

۶۔ چہرے اور ہاتھوں کو کھلا رکھنے کی تائید میں ایک بنیادی قرینے کے طور پر جمہور اہل علم ان معاشرتی وتمدنی اسباب کا بھی حوالہ دیتے ہیں جو ان اعضا کو کھلا اور غیر مستور رکھنے کا تقاضا کرتے ہیں اور خود شریعت نے بھی ان تمدنی ضروریات کی رعایت کی ہے۔ علامہ ابن عاشور نے قاضی ابو بکر ابن العربی سے اس کی وضاحت یوں نقل کی ہے:

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

والظّاهِرُ مِنَ الزّينَةِ الخِلْقِيَّةِ ما في إخْفائِهِ مَشَقَّةٌ كالوَجْهِ والكَفَّيْنِ والقَدَمَيْنِ، وضِدُّها الخَفِيّةُ مِثْلَ أعالِي السّاقَيْنِ والمِعْصَمَيْنِ والعَضُدَيْنِ والنَّحْرِ والأُذُنَيْنِ. والظّاهِرُ مِنَ الزّينَةِ المُصْطَنَعَةِ ما في تَرْكِهِ حَرَجٌ عَلى المَرْأةِ مِن جانِبِ زَوْجِها وجانِبِ صُورَتِها بَيْنَ أتْرابِها، ولا تَسْهُلُ إزالَتُهُ عِنْدَ البَدْوِ أمامَ الرِّجالِ وإرْجاعُهُ عِنْدَ الخُلُوِّ في البَيْتِ، وكَذَلِكَ ما كانَ مَحَلُّ وضْعِهِ غَيْرَ مَأْمُورٍ بِسَتْرِهِ كالخَواتِيمِ بِخِلافِ القُرْطِ والدَّمالِجِ.(التحریر والتنویر ۱۸/۲۰۶)

”خلقی زینت میں سے ظاہری زینت وہ ہے جس کو چھپانے میں مشقت ہو، جیسے چہرہ اور ہاتھ اور پاؤں۔ اس کے برعکس مخفی خلقی زینت کی مثال پنڈلیوں کے اوپر کے حصے، کلائیاں، بازو کا اوپر کا حصہ، سینے کا بالائی حصہ اور کان وغیرہ ہیں۔ مصنوعی زینت میں سے ظاہری زینت سے مراد ایسی زینت ہے جس کو ترک کر دینے کی وجہ سے عورت کو اس کے شوہر کی طرف سے یا اپنی ہم جولیوں کے درمیان بد صورت دکھائی دینے کی وجہ سے حرج لاحق ہوتا ہو اور مردوں کے سامنے باہر جاتے ہوئے اسے اتار دینا اور گھر واپس آنے پر دوبارہ لگا لینا آسان نہ ہو۔ اسی طرح جو زینت جسم کے ایسے حصوں پر کی جائے جن کے چھپانے کا حکم نہیں، جیسے انگوٹھی، وہ بھی ظاہری زینت میں شامل ہے۔ تاہم کانوں کی بالیاں اور بازو بند اس کا حصہ نہیں، (بلکہ وہ مخفی زینت کا حصہ ہیں)۔“

زمخشری لکھتے ہیں:

إن قلت: لم سومح مطلقًا في الزينة الظاهرة؟ قلت: لأن سترها فيه حرج، فإن المرأة لا تجد بدًّا من مزاولة الأشياء بيديها، ومن الحاجة إلى كشف وجهها، خصوصًا في الشهادة والمحاكمة والنكاح، وتضطر إلى المشي في الطرقات وظهور قدميها، وخاصة الفقيرات منهنّ، وهذا

”اگر تم یہ پوچھو کہ ظاہری زینت میں کیوں رخصت دی گئی ہے؟ تو میں جواب میں کہوں گا کہ کیونکہ اس کو چھپانے سے تنگی لاحق ہوتی ہے، کیونکہ عورت کو بہر حال اپنے ہاتھوں سے چیزوں کا لین دین کرنا ہوتا ہے اور چہرے کو کھولنے کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے، خاص طور پر گواہی دیتے ہوئے اور عدالت میں محاکمہ کرتے ہوئے

معنى قوله: ﴿إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ يعني إلا ما جرت العادة والجبلة على ظهوره والأصل فيه الظهور. (الکشاف ۴/ ۲۰۹، ۲۹۱)

اور نکاح کے وقت۔ اسی طرح راستوں میں چلنا اور پاؤں کو ننگا رکھنا بھی اس کی مجبوری ہے، خاص طور پر جو آسودہ حال نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے یہی مراد ہے، یعنی وہ اعضا جن کو کھلا رکھنا انسانوں کا عام معمول ہے اور فطری طور پر وہ کھلے ہوتے ہیں اور ان کو کھلا ہی ہونا چاہیے۔‘‘

امام رازی نے قفال سے نقل کیا ہے:

مَعْنى الآيَةِ إلّا ما يُظْهِرُهُ الإنْسانُ في العادَةِ الجارِيَةِ، وذَلِكَ في النِّساءِ الوجه والكَفّانِ، وفي الرَّجُلِ الأطْرافُ مِنَ الوجه واليَدَيْنِ والرِّجْلَيْنِ، فَأُمِرُوا بِسَتْرِ ما لا تُؤَدِّي الضَّرُورَةُ إلى كَشْفِهِ ورُخِّصَ لَهم في كَشْفِ ما اعْتِيدَ كَشْفُهُ وأدَّتِ الضَّرُورَةُ إلى إظْهارِهِ إذْ كانَتْ شَرائِعُ الإسْلامِ حَنِيفِيَّةً سَهْلَةً سَمْحَةً. (مفاتیح الغیب ۲۳/ ۲۰۶-۲۰۷)

’’آیت کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے عام معمول میں جن اعضا کو کھلا رکھتا ہے، وہ اس حکم میں داخل نہیں۔ خواتین میں یہ اعضا چہرہ اور ہاتھ ہوتے ہیں، جب کہ مردوں میں چہرہ اور ہاتھ اور پاؤں۔ چنانچہ لوگوں کو پابند کیا گیا کہ وہ اعضا چھپا کر رکھیں جن کو کھولنے کی ضرورت پیش نہیں آتی، جب کہ جن کو کھلا رکھنا انسانوں کا عام معمول ہے اور ان کو کھلا رکھنے کی ضرورت بھی رہتی ہے، ان کو کھلا رکھنے کی رخصت دے دی گئی، کیونکہ اسلام کے احکام آسانی، سہولت اور نرمی پر مبنی ہیں۔‘‘

نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

وإنما رخص في هذا القدر للمرأة أن تبديه من بدنها لأن المرأة لا تجد بدًا من مزاولة الأشياء بيديها ومن الحاجة إلى كشف وجهها خصوصًا في الشهادة والمحاكمة والنكاح وتضطر إلى المشي في الطرقات وظهور قدميها

’’عورت کو زینت کی اتنی مقدار ظاہر کرنے کی رخصت اس لیے دی گئی ہے کہ عورت کو لامحالہ اپنے ہاتھوں سے چیزوں کا لین دین کرنا ہوتا ہے اور چہرے کو کھولنے کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے، خاص طور پر گواہی دیتے ہوئے اور عدالت میں محاکمہ کرتے ہوئے اور نکاح کے وقت۔ اسی طرح

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وخاصة الفقيرات منهن.(فتح البیان ۹/ ۲۰۶)

راستوں میں چلنا اور پاؤں کو ننگا رکھنا بھی اس کی مجبوری ہے، خاص طور پر جو آسودہ حال نہ ہوں۔‘‘

جمہور اہل علم کی طرف سے اس قیاس کا جواب بھی دیا گیا ہے کہ چہرہ چونکہ حسن و جمال کا مرکز ہے اور اس کو کھلا رکھنا فتنے کا موجب ہو سکتا ہے، اس لیے عورت کے لیے چہرے کو چھپانا لازم ہونا چاہیے۔ امام سرخسی اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ فتنے کا خدشہ کلیتاً تو کسی بھی صورت میں ختم نہیں ہو سکتا، اور مثال کے طور پر عورت کے لباس کو دیکھنے سے بھی مرد کے دل میں فتنہ پیدا ہو جانا عین ممکن ہے، اس لیے خوف فتنہ جیسے لباس کے معاملے میں معتبر نہیں، اسی طرح چہرے اور ہاتھوں کے متعلق بھی معتبر نہیں ہونا چاہیے اور اس کے بجائے روز مرہ زندگی میں خواتین کی ضروریات اور حاجات کو زیادہ اہمیت حاصل ہونی چاہیے۔ سرخسی نے اس پہلو سے حنفی فقہا کے نقطۂ نظر کے توسع کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

وَخَوْفُ الْفِتْنَةِ قَدْ يَكُونُ بِالنَّظَرِ إِلَى ثِيَابِهَا أَيْضًا .... ثُمَّ لَا شَكَّ أَنَّهُ يُبَاحُ النَّظَرُ إِلَى ثِيَابِهَا وَلَا يُعْتَبَرُ خَوْفُ الْفِتْنَةِ فِي ذَالِكَ فَكَذَالِكَ إِلَى وَجْهِهَا وَكَفِّهَا وَرَوَى الْحَسَنُ بْنُ زِيَادٍ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُبَاحُ النَّظَرُ إِلَى قَدَمِهَا أَيْضًا وَهَكَذَا ذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ لِأَنَّهَا كَمَا تُبْتَلَى بِإِبْدَاءِ وَجْهِهَا فِي الْمُعَامَلَةِ مَعَ الرِّجَالِ وَبِإِبْدَاءِ كَفِّهَا فِي الْأَخْذِ وَالْإِعْطَاءِ تُبْتَلَى بِإِبْدَاءِ قَدَمَيْهَا إِذَا مَشَتْ حَافِيَةً أَوْ مُتَنَعِّلَةً وَرُبَّمَا لَا تَجِدُ الْخُفَّ فِي كُلِّ وَقْتٍ وَذُكِرَ فِي جَامِعِ الْبَرَامِكَةِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُبَاحُ النَّظَرُ إِلَى ذِرَاعَيْهَا أَيْضًا لِأَنَّهَا فِي

’’خوف فتنہ تو عورت کے کپڑوں کو دیکھنے میں بھی ہو سکتا ہے، حالاں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت کے کپڑوں کو دیکھنا مباح ہے اور اس میں خوف فتنہ کا اعتبار نہیں۔ اسی طرح اس کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنے میں بھی خوف فتنہ کا اعتبار نہیں ہے۔ حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے کہ عورت کے پاؤں کو دیکھنا بھی مباح ہے اور طحاوی نے بھی یہی بات ذکر کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے عورت کو مردوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے چہرہ کھولنے کی اور لین دین کرتے ہوئے ہاتھ کو ننگا کرنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے، اسی طرح جب وہ ننگے پاؤں یا جوتے پہن کر چل رہی ہو تو پاؤں کو ننگا کرنے کی ضرورت بھی پیش آسکتی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ اس کو ہر وقت موزے دستیاب ہوں۔ ’’جامع البرامکہ‘‘ میں امام ابو یوسف سے نقل کیا گیا ہے کہ عورت کے بازو کے اگلے حصے کو

الْخَبْزَ وَغَسْلِ الثِّيَابِ تُبْتَلَى بِإِبْدَاءِ ذِرَاعَيْهَا أَيْضًا قِيلَ: وَكَذَالِكَ يُبَاحُ النَّظَرُ إِلَى ثَنَايَاهَا أَيْضًا لِأَنَّ ذَالِكَ يَبْدُو مِنْهَا فِي التَّحَدُّثِ مَعَ الرِّجَالِ. (المبسوط ۱۰/۱۵۳)

دیکھنا بھی مباح ہے، کیونکہ روٹیاں پکاتے ہوئے یا کپڑے دھوتے ہوئے عورت کو بازو کا اگلا حصہ کھولنے کی بھی ضرورت ہو سکتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ عورت کے دانتوں کو دیکھنا بھی مباح ہے، کیونکہ جب وہ مردوں سے بات چیت کرے گی تو اس کے دانت بھی دکھائی دیں گے۔‘‘

جمہور اہل علم کے استدلال کے مذکورہ پہلوؤں کو حسب ذیل نکات کی صورت میں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ ’اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا‘ کے الفاظ ایسے مصداق پر دلالت کرتے ہیں جس کا کھلا اور ظاہر ہونا واضح ہے۔ چنانچہ اس کا مصداق وہی اعضا، یعنی چہرہ اور ہاتھ پاؤں ہیں جنھیں انسانی تمدن میں مرد اور عورتیں عموماً کھلا رکھتے ہیں۔

۲۔ شریعت کا عرف بھی یہی بتاتا ہے کہ چہرے اور ہاتھ پاؤں کو کھلا ہونا چاہیے، کیونکہ نماز اور حالت احرام میں خواتین ان اعضا کو کھلا رکھتی ہیں، چنانچہ ’اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا‘ کو بھی شریعت کے اسی معروف پر محمول کرنا چاہیے۔

۳۔ اس آیت میں جسمانی اعضا میں سے سر کو اور سینے کے گریبان کو ڈھانکنے کی ہدایت بیان کی گئی ہے، جب کہ سر اور سینے کے درمیان چہرے سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ یہ اسلوب بھی اس بات کی دلیل ہے کہ جن اعضا کو خواتین عادتاً کھلا رکھتی ہیں، ان کو حالت زینت میں بھی چھپانے کی پابندی شریعت عائد نہیں کرنا چاہتی۔

۴۔ بعض مرسل روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو اپنا چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھنے کی اجازت دی۔

۵۔ متعدد مستند احادیث کے علاوہ قرآن مجید سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ جس خاتون سے نکاح کا ارادہ ہو، اس کو نکاح سے پہلے دیکھ لینا پسندیدہ ہے اور اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب خواتین کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں کھلے ہوں اور نکاح کے خواہش مند مرد اِن کو دیکھ سکیں۔

۶۔ شریعت کا مزاج آسانی اور سہولت پر مبنی ہے، جو یہ تقاضا کرتا ہے کہ روزمرہ زندگی کے امور کو انجام دیتے ہوئے جن جسمانی اعضا کو کھلا رکھنا انسانوں کا عام معمول ہے اور ان کو کھلا رکھنے کی ضرورت بھی رہتی ہے، خواتین کو بھی انھیں کھلا رکھنے کی رخصت دی جائے۔

مذکورہ تمام استدلالات کا حاصل یہ ہے کہ جمہور اہل علم کے نزدیک شریعت نے اصولی طور پر خواتین کے لیے

غیر محرم مردوں سے پردے کو لازم نہیں ٹھیرایا اور گھر کے اندر یا گھر سے باہر، خواتین ضروری حدود و آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے غیر محرم مردوں کے ساتھ روبرو گفتگو اور معاملہ کر سکتی ہیں۔ ایسا کرتے ہوئے حسب موقع انھیں اپنا چہرہ اور ہاتھ پاؤں کھولنا پڑے جس پر اجنبی مردوں کی نگاہ پڑتی ہو تو سہولت اور یسر کے پہلو سے شریعت نے اس کو ممنوع نہیں ٹھیرایا۔ البتہ مردوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ شہوانی جذبے کے ساتھ خواتین کے ان کھلے اعضا کو نہ دیکھیں اور ایسی کیفیت میں خواتین کی طرف دیکھنے سے اجتناب کریں۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد بلال

# حیات امین احسن

(۱)

## دیباچہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

”میں ان دنوں ولی عہد سلطنت تھااور سوئٹزر لینڈ کی ایک درس گاہ میں تعلیم پاتا تھا۔ایک دن ہمارے دودھ والے نے مجھ سے پوچھا: آپ کا وطن کون سا ہے ؟ میں نے اسے بتایا کہ میرا وطن ایران ہے۔ یہ جواب سن کر دودھ والے نے کہا: ایران سے تومیں اچھی طرح واقف ہوں، ایران امریکا میں ہے نا!“

ولی عہد محمد رضا پہلوی یہ جواب سن کر بہت حیران اور پریشان ہوئے کہ مغرب ہم سے کس قدر ناواقف ہے۔ان کے نزدیک ایران کی جو خوبیاں تھیں، وہ ان کے ذہن میں گردش کرنے لگیں۔ وہ بے چین ہو گئے کہ کاش! چند اہل مغرب ہی کو یہ بتایا جاسکے کہ ”نوع انسانی کی ترقی کے لیے ایران نے کیا کچھ کیا ہے۔ عرصۂ دراز سے ہماری تہذیب ان ملکوں تک بالکل اسی طرح پہنچتی رہی ہے، جس طرح آج امریکی فنی امداد چار نکاتی پروگرام کے ذریعے سے سمندر پار ملکوں میں پہنچتی ہے... ایران رقبہ کے اعتبار سے الاسکا سے بڑا، ٹیکساس سے دوچند اور فرانس، سوئٹزر لینڈ، اٹلی، اسپین، پرتگال، بیلجیم، لکسمبرگ اور ہالینڈ کے مجموعی رقبہ سے زیادہ ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے ایران صدیوں سے عالمی گذر گاہوں کا مرکز اتصال رہا ہے ...ایران اپنے شیریں اور لذیذ پھلوں کے لیے بھی مشہور ہے... نئی دنیا کی دریافت سے صدیوں قبل اہل ایران کے دستر خوان ان دنوں کھانے کے خوب صورت برتنوں سے آراستہ رہتے تھے، جب کہ بہت سے اہل یورپ زمین ہی پر بیٹھ کر ہاتھ سے کھانا کھاتے تھے۔ہماری تہذیب بہ استثنا چین، دنیا کی قدیم ترین اور مسلسل تہذیب ہے۔“

بالکل ایسی ہی کیفیت امام امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لوگوں کی بے خبری دیکھ کر ہمارے اندر پیدا ہوتی ہے۔ جو لوگ اس ہستی سے واقف ہیں، ان کی اکثریت بھی یہی جانتی ہے کہ آپ جماعت اسلامی کے نائب امیر تھے اور ماچھی گوٹھ کے اجتماع پر امیر جماعت سے کچھ اختلافات کے باعث جماعت سے الگ ہو گئے تھے۔

کاش! ہم لوگوں کو یہ بتا سکیں کہ یہ باتیں امین احسن کی شخصیت کا ضمنی اور ثانوی حصہ ہیں۔ یہ اصل امین احسن اصلاحی نہیں ہیں۔ امین احسن کو دیکھنا ہے تو انھیں ''تدبر قرآن''، ''مبادی تدبر حدیث'' اور ''دعوت دین اور اس کا طریق کار'' میں دیکھیے، امین احسن کو دیکھنا ہے تو انھیں ان کی شخصیت میں موجود تلاش حق، اظہار حق، اعتراف حق، جرأت و بے باکی، انا و خودداری، لطافت و نفاست، محبت و شفقت، تفکر و تفنن میں دیکھیے۔ عقل و قلب پکار اٹھیں گے:

بہت قدیم قبائل کے شاعروں کا خیال
روایتوں کی حقیقت، حکایتوں کا وجود
نخیلِ کہنہ کے سایے میں ایک مرد فقیر
نئے زمانوں کی جس کے نفس نفس سے نمود
وہ قافلوں کا تواتر تھا، پھر بھی تنہا تھا
وہ اپنے ذرۂ ہستی میں ایک صحرا تھا

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اس کتاب کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ لوگوں کو اصل امین احسن اصلاحی سے متعارف کرایا جائے۔

الطاف گوہر مرحوم نے انتہائی بھرپور طویل عوامی اور سرکاری زندگی گزاری۔ آپ صدر ایوب خان کے سیکرٹری انفارمیشن رہے۔ مشہور دانش ور، شاعر، ادیب، صحافی، مترجم، براڈکاسٹر اور متجسس طالب علم تھے، دینی علوم کی طرف خاص رجحان تھا، دین پر لیکچرز دیا کرتے تھے، لیکن افسوس وہ اصل امین احسن سے ناواقف تھے۔ جب امین احسن کے بارے میں اخص الخواص کی بے خبری کا یہ عالم ہے تو خواص اور عوام کی ناواقفیت کا عالم کیا ہوگا!

ممتاز صحافی اور دانش ور ارشاد احمد حقانی مرحوم نے اپنے ایک کالم ''آہ! الطاف گوہر'' میں گوہر صاحب کی وفات کے حوالے سے لکھا تھا: آخری سے پہلی ملاقات میں جب ابھی ان کے اندر قدرے طویل گفتگو کرنے کی

توانائی موجود تھی، مجھے کہنے لگے: سورۂ بقرہ کی دوسری آیت میں 'ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ' میں 'ذٰلِكَ' کے مفہوم پر میرا ذہن پوری طرح صاف نہیں تھا۔ میں نے مختلف تفاسیر دیکھیں، لیکن جو رہنمائی مجھے مولانا امین اصلاحی کی ''تدبر قرآن'' سے ملی، اس کا جواب نہیں۔ حقانی صاحب لکھتے ہیں کہ ''تدبر قرآن'' کا مطالعہ کرنے کا مشورہ میں نے انھیں دیا تھا۔ افسوس کہ اپنی صحت کی حالت کی وجہ سے وہ قرآنی علوم کے اس خزانے سے حسب خواہش استفادہ نہ کر سکے، لیکن انھیں اس کی قدر و قیمت کا اچھی طرح احساس ہو گیا تھا۔

اصل میں لوگوں کی امین احسن سے ناواقفیت در حقیقت، نبیوں کے اک سچے جانشیں اور دنیاے علم کے ایک امام سے ناواقفیت ہے۔

راقم کا امین احسن سے تعارف ۱۹۸۹ء میں اپنے سسر محترم محمد اسحاق ناگی مرحوم کے باعث ہوا۔ ان کے مختلف دروس اور غیر رسمی نشستوں سے فیض یاب ہونے اور لکھ کر ان سے سوالات پوچھنے کا موقع ملا۔ اس ضمن میں، راقم ناگی صاحب کا ہمیشہ شکر گزار رہے گا۔

اس کتاب کے لیے محترم خالد مسعود مرحوم کے سہ ماہی ''تدبر'' لاہور، محترم جاوید احمد غامدی کے ماہنامہ ''اشراق'' لاہور اور ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی کی کتاب ''ذکر فراہی'' سے بنیادی طور پر استفادہ کیا گیا ہے۔ ان تمام شخصیات کا شکریہ ادا کرنا بھی لازم ہے۔ اسی پہلو سے یہ واضح کر دینا بھی ضروری محسوس ہوتا ہے کہ راقم اس کتاب کا مصنف نہیں، بلکہ مرتب ہے۔

کتاب میں بعض شخصیات پر امین احسن کی سخت تنقیدی آرا بھی شامل کی گئی ہیں۔ ان آرا سے کوئی شخص اختلاف کر سکتا ہے۔ راقم کو بھی بعض مقامات پر امین احسن سے اختلاف ہے، لیکن چونکہ یہ کتاب امین احسن کے بارے میں ہے، اس لیے اس میں ان کی آرا کو بیان کیا گیا ہے۔ اختلاف رکھنے والے کسی ردعمل کے اظہار سے قبل براہ کرم اس نکتے کو ضرور پیش نظر رکھیں۔

خواہش تو یہ تھی کہ امین احسن پر ایک انسائیکلوپیڈیا تیار کیا جائے، لیکن یہ کام ایک طویل عرصے کا تقاضا کرتا ہے۔ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی نے امام حمید الدین فراہی پر ایک ایسی ہی کتاب ''ذکر فراہی'' مرتب کی تھی، جس پر ۱۸ برس صرف ہوئے تھے، مگر پھر بھی ڈاکٹر صاحب نے دیباچے میں لکھا کہ یہ کتاب موجودہ حالت میں خامیوں سے بھری ہوئی ہے۔

امین احسن کہا کرتے تھے کہ عام آدمی خلاصہ پسند ہوتا ہے، اسی لیے یہاں اختصار کو پیش نظر رکھا گیا ہے، اس پہلو سے یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ اس کتاب کی زبان آسان ترین ہو اور بول چال کے قریب ترین ہو۔

اور پھر یہ بے قراری بھی ہے کہ لوگوں کی امین احسن کی اصل شخصیت سے ناواقفیت کو ختم کرنے کا جلد از جلد کوئی اہتمام ہو، اس لیے فی الحال مختصر اور عمومی کتاب کو ترجیح دی ہے۔

ڈاکٹر شہزاد سلیم نے اس کتاب کی تیاری میں خصوصی دل چسپی لی اور مسودے کی اصلاح کا کام کیا، اسی طرح ڈاکٹر شہباز حسین، ڈاکٹر عامر عبداللہ اور ساجد حمید صاحب کا قیمتی تعاون بھی حاصل رہا۔ اس موقع پر ان سب حضرات کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

دعا ہے کہ یہ کتاب لوگوں کو جنگل کی آبشار، صحرا کے کنویں اور پہاڑوں کے چشمے سے آگاہ کرنے کا باعث بنے۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

باب ۱

# بچپن اور مدرستہ الاصلاح

## پیدایش اور جاے پیدایش

امام امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدایش ۱۹۰۴ء میں صوبہ اتر پردیش (یوپی) کے ضلع اعظم گڑھ کے مغرب میں واقع ایک چھوٹے سے گاؤں بمہور میں ہوئی۔ شبلی متکلم کی طرف منسوب یہ بات مشہور ہے کہ یہ اصل میں بام حور تھا، جو بگڑ کر بمہور ہو گیا، مگر امین احسن اسے بے بنیاد افسانہ قرار دیتے ہیں۔

سید سلیمان ندوی کی تحقیق کے مطابق مغلوں کے زمانے میں حکومتوں کی تقسیم، انگریزوں کی تقسیم سے مختلف تھی۔ مغلوں کے زمانے میں اعظم گڑھ کے اکثر قصبات جون پور میں شمار ہوتے تھے، اسی لیے اعظم گڑھ کے اکثر مشاہیر جون پوری کے نام سے مشہور ہوئے۔ اعظم گڑھ کا ضلع انگریزوں کے دور میں پیدا ہوا۔ اعظم گڑھ کے کھلے ہوئے دو حصے ہیں: ایک حصے میں اکثر راجپوتوں یا دوسرے نو مسلموں کی آبادی ہے۔ دوسرے حصے میں وہ خاندان آباد ہیں جن کے آباو اسلاف دوسرے اسلامی ملکوں یا شہروں سے ہجرت کر کے یہاں آئے یا آباد ہوئے۔ گڑھ ہندی لفظ ہے، جس کے معنی قلعہ کے ہیں۔ ہندوستان کے اکثر وہ شہر جن کے نام کا آخری جز گڑھ ہو، ان کی آبادی کا آغاز در حقیقت کسی فوجی آبادی سے ہوا، یعنی کسی زمین دار یا رئیس نے اپنے اور اپنی رعایا کے لیے کوئی گڑھ بنایا اور اس کو اپنے نام کی طرف منسوب کر دیا۔ اعظم گڑھ، راجہ اعظم کے نام سے منسوب ہے، جو مسلمان راجپوت راجاؤں میں سے تھا۔ روایت ہے کہ جہانگیر کے زمانے میں اس خاندان کا مورث اعلیٰ آگرہ جا کر مسلمان ہو گیا۔ جہانگیر نے اس کی بہت قدر کی اور دولت خاں کے خطاب سے نوازا اور ۲۴ پرگنوں کی ریاست عطا کی۔ یہ پرگنے زیادہ تر موجودہ اعظم گڑھ میں واقع تھے۔ راجہ دولت خاں لاولد فوت ہو گئے۔ وہیں ان کی قبر بنی۔ وہ اپنے بعد اپنے ہندو بھتیجے ہربنس کو ریاست کا مالک بنا گئے تھے۔ اس کے آگے کے سلسلے میں ایک نام ور بکر ماجیت نامی ہوا، جس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے دو بیٹے ہوئے: اعظم خاں اور

عظمت خاں۔ ۱۶۶۵ء میں اعظم خاں نے اعظم گڑھ کی بنیاد ڈالی اور عظمت خاں نے عظمت گڑھ کی (حیات شبلی ۱۲۴-۱۲۷)۔

## نسب و وطن

امین احسن کے والد ماجد کا نام حافظ محمد مرتضیٰ ولد وزیر علی ہے۔ حافظ صاحب کا تعلق اعظم گڑھ کے گاؤں بمہور سے تھا۔ ان کی برادری راجپوت تھی۔ علامہ شبلی نعمانی کا تعلق بھی اسی برادری کے ساتھ تھا۔ حافظ صاحب ایک متوسط درجے کے زمین دار تھے۔ برادری کے نیک سیرت اور معزز فرد تھے۔ زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے۔ گھر کی فضا دینی تھی۔ نماز اور روزے کا خاص اہتمام تھا۔ حافظ صاحب قراءت اچھی کر لیتے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے حج کی سعادت بھی حاصل کر رکھی تھی۔

## تعلیم

امین احسن بنیادی طور پر دیہاتی آدمی تھے، اس لیے ان کی ابتدائی تعلیم گاؤں ہی میں ہوئی۔ ۱۹۰۸ء میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ ابتدائی تعلیم سرکاری مکتب میں مولوی بشیر احمد، جب کہ دینی مکتب میں مولوی فصیح الدین سے قرآن مجید اور فارسی کی تعلیم حاصل کی (ماہنامہ شمس الاسلام، بھیرہ، ۷)۔

ان کے والد انھیں دین کی تعلیم سے آراستہ کرنا چاہتے تھے۔ امین احسن دس برس کے ہوئے تو ان کے والد صاحب نے مولانا شبلی متکلم ندوی سے اس معاملے میں مشورہ کیا۔ شبلی متکلم رشتے میں امین احسن کے چچا اور گاؤں کے ایک عالم دین تھے۔ انھوں نے امین احسن کو دینی اور عصری تعلیم کے لیے مدرستہ الاصلاح، سرائے میر میں داخل کرا دیا۔ شبلی متکلم اس زمانے میں اس مدرسہ کے صدر مدرس اور مہتمم تھے۔

سید سلمان ندوی سرائے میر کے محل وقوع کے بارے میں بتاتے ہیں:

> ”شاہ گنج سے جو شاہ عالم کے نام سے آباد ہے اور جون پور میں شامل ہے، دو فرلانگ آگے سے اعظم گڑھ کا ضلع شروع ہو جاتا ہے۔ شاہ گنج سے چند میل دور بہ سمتِ مشرق سرائے میر آتا ہے جس نے حضرت میر عاشقاں علیہ الرحمہ کی نسبت سے سرائے میر کا نام پایا ہے۔ یہاں ان کا مزار اب تک یادگار ہے، اور اب اس کی شہرت کا ذریعہ وہ مدرسۂ اسلامیہ ہے جس کا نام ”مدرستہ الاصلاح“ ہے، جس کو ۱۹۰۸ء میں یہاں کے مسلمانوں نے قائم کیا تھا اور جس سے مولانا شبلی اور مولانا حمید الدین کو تعلق خاص رہا ہے ... سرائے میر

سے دس میل بہ جانب مشرق نظام آباد کا قصبہ ہے، یہ بہت سے علما، اہل اللہ کا مولد و مسکن رہا ہے۔ سنا ہے کہ دیوان عبد الرشید یہ کا اصل وطن یہی تھا، حضرت میر عاشقاں کے پیر حضرت شاہ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ عرف شاہ قدّن یہیں مدفون ہیں۔“(حیات شبلی ۱۲۹-۱۳۰)

ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی نے بھارت جا کر امین احسن کے داخلے کی تاریخ کی تحقیق کی ہے۔ ان کے مطابق اصلاح میں ان کا داخلہ ۹/ جنوری ۱۹۱۰ء کو دس برس کی عمر میں درجۂ سوم اردو میں ہوا۔ مدرسہ کے رجسٹر داخل خارج کی رو سے اصلاح میں ان کا داخلہ نمبر ۳۲۸ ہے۔ داخلے کے وقت نام محمد امین ریکارڈ ہوا۔ انھوں نے فراہی کو پہلی بار اس وقت جانا جب وہ اپنے والد کے ہاتھی پر سوار ہو کر مدرسہ آئے۔ وہ ایک اچھے طالب علم تھے (ذکر فراہی ۵۶۶)۔

امین احسن ابتدائی تعلیم کچی پکی اور پہلی اور دوسری گاؤں میں حاصل کر چکے تھے، اس لیے مدرسہ میں ان کو تیسرے درجے میں داخلہ دیا گیا۔ یہاں وہ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۲ء تک رہے۔ بعد میں اسی مدرسے کے نام کی نسبت سے اصلاحی کہلائے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

## بچپن کے مشاغل اور بچوں سے محبت

محمد صفدر میر نے کچھ عرصہ امین احسن کی صحبت میں گزارا۔ لکھتے ہیں:

”ہم پختہ عمر کے لوگ بچوں کی سرگرمیوں اور ان کی حرکتوں پر چیں بچیں ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ مولانا نے اپنے بچپن کی روداد سناتے ہوئے بتایا کہ جب مجھے کسی کام کے لیے ادھر ادھر جانا پڑتا تو میں دوڑ کر جاتا، حالاں کہ دوڑنے کا کوئی جواز نہ ہوتا۔ میں نے اس مسئلے پر غور کیا کہ میں خواہ مخواہ کیوں دوڑتا ہوں۔ تو یہ عقدہ یوں کھلا کہ بچوں میں وافر توانائی ہوتی ہے، یہ توانائی انھیں دوڑنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اس تجزیے کے بعد میری بچوں کے ساتھ شفقت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ بچوں کی معیت میں مجھے لازوال سکون ملا۔ میں بچوں سے خوش رہا اور بچے مجھ سے خوش رہے۔“(ماہنامہ اشراق، جنوری/فروری ۱۹۹۸ء، ۱۰۰)

ڈاکٹر شہزاد سلیم، امین احسن کے ساتھ خاص تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے ان کی ویب سائٹ بھی بنائی ہے۔ انھوں نے ایک انٹرویو میں امین احسن سے پوچھا:

”سوال: بچپن میں آپ کے کیا مشاغل تھے؟

جواب: بچپن میں مجھے تیراکی اور گھڑ سواری کا شوق رہا۔ گاؤں کے تالاب میں تیراکی سیکھی اور گھڑ سواری

بھی دس سال کی عمر تک اچھی خاصی سیکھ لی تھی۔ فٹ بال اور والی بال سے بھی شغف رہا۔ کرکٹ برائے نام ہی آتی تھی، لڑکے میرے علم کی وجہ سے مجھے احتراماً ٹیم میں رکھ لیتے تھے۔ اکثر اپنے ایک دوست الیاس کے ساتھ تالاب کے کنارے سیر کو جایا کرتا تھا۔ ہم تھوڑے سے چاول، کچھ چینی اور ایک ہنڈیا ساتھ لے جاتے۔ آس پاس کے گڈریوں سے دودھ لے لیتے۔ لکڑیاں چن کر لاتے اور کھیر پکا کر مزے سے پیپل کے پتوں پر رکھ کر کھاتے تھے۔''(ماہنامہ اشراق، جنوری/فروری ۱۹۹۸ء، ۱۱۰)

## مدرسۃ الاصلاح

مدرسۃ الاصلاح ۱۹۰۸ء میں علاقہ کے ایک بزرگ مولانا محمد شفیع نے قائم کیا تھا۔ انجمن اصلاح المسلمین اسے چلا رہی تھی۔ ابتدا میں یہ مدرسہ معمولی نوعیت کا تھا۔ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی دل چسپی سے اس کی حیثیت غیر معمولی ہوتی گئی۔ مولانا شبلی نے اس کے اغراض و مقاصد متعین کیے اور مولانا فراہی نے اس کا نصاب تعلیم تجویز کیا اور نامکمل شعبوں کی تکمیل کی۔ اس مدرسہ میں دینی تعلیم جدید انداز میں دی جاتی تھی۔ قرآن مجید کو مرکز و محور کی حیثیت حاصل تھی۔ عربی ادب کو بھی نمایاں مقام دیا گیا تھا۔ فقہ کی تعلیم گروہی تعصب سے پاک تھی۔ طالب علموں میں شعور پیدا کیا جاتا تھا کہ وہ جس فقہی مسلک کو قرآن وسنت کے موافق پائیں، اسے اختیار کر لیں۔ اس کے علاوہ ابتدائی درجہ تک انگریزی سے بھی متعارف کرایا جاتا تھا۔

## مولانا عبد الرحمٰن نگرامی

مولانا عبد الرحمٰن نگرامی رحمۃ اللہ علیہ مدرسۃ الاصلاح کے بے حد ذہین، لائق اور محنتی استاذ تھے۔ علامہ شبلی نے انھیں جوہر قابل سمجھ کر ان کی تربیت میں خاص دل چسپی لی تھی۔

علامہ سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''تعلیم سے فارغ ہو کر مرحوم (مولانا نگرامی) بھی وابستگان شبلی کی جماعت میں داخل ہو گئے اور چار برس تک مدرسہ سرائے میر میں رہ کر درس وتدریس کا فرض انجام دیا۔ اور مدرسہ میں زیر تربیت چند اچھے لڑکے پیدا کیے۔ جن میں سے ایک آج مولانا امین احسن کے نام سے مشہور ہیں (یادرفتگاں)۔''

(سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۷)

مولانا نگرامی نے فراہی سے قرآن کی تعلیم بھی حاصل کی۔ مشرقی اضلاع میں ان کی اصلاحی تقریریں بہت

مقبول ہو رہی تھیں، مگر مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع مسجد کلکتہ میں مدرسۂ اسلامیہ قائم کیا تو ان کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے۔ اس کے بند ہو جانے پر ۱۹۲۳ء میں ندوۃ العلما، لکھنؤ میں ادب و تفسیر کے استاد ہو کر آئے، لیکن جلد ہی علیل ہو گئے اور ۱۹۲۶ء میں عین شباب میں وفات پا گئے (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۷)۔

امین احسن نے مدرسہ میں متعدد اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، مگر وہ سب سے زیادہ مولانا نگرامی سے متاثر ہوئے۔ وہ خود بتاتے تھے کہ جب میں نے مدرسہ میں داخلہ لیا تو پڑھنے کے معاملے میں بد شوق سا تھا، لیکن مولانا نگرامی کی محنت اور توجہ سے میرے اندر مطالعہ اور عربی ادب کا شوق پیدا ہوا۔ ان کا فیض صحبت میری زندگی میں انقلاب پیدا کرنے کا باعث بنا۔ علم کلام میں امین احسن کے استاذ شبلی نعمانی کے شاگرد خاص مولانا شبلی متکلم تھے، لیکن ان کے مضمون سے انھیں کبھی دل چسپی پیدا نہیں ہوئی۔ امین احسن کا خیال تھا کہ ایک عاقل کے لیے علم کلام کی ضرورت نہیں ہے۔

امین احسن کے دل میں مولانا نگرامی کے لیے بڑی عقیدت و محبت تھی۔ جب وہ ''سچ'' اخبار سے وابستہ تھے تو امین آباد سے روزانہ پیدل چل کر ندوہ انھیں ملنے کے لیے جایا کرتے تھے۔

## ریاضی سے بے زاری

اکثر و بیش تر اہل علم و ادب کی طرح امین احسن بھی مدرسہ کی تعلیم کے دوران میں ریاضی کی تعلیم کو ایک بوجھ سمجھتے تھے۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ اسی لیے میں میراث و فرائض کے مضامین میں کم زور ہی رہا۔

## بہ حیثیت مقرر

مدرسہ کی تعلیم کے دوران میں امین احسن نے فن تقریر میں بہت نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا، حتیٰ کہ طالب علمی کے زمانے ہی میں ایک اچھے مقرر کی حیثیت سے ان کی شہرت مدرسہ کے علاوہ دوسرے مقامات میں بھی پھیل گئی تھی۔ ضیاء الدین صاحب اصلاحی لکھتے ہیں:

> ''مولانا امین احسن اصلاحی کو تحریر ہی کی طرح تقریر کا بھی خداداد ملکہ تھا۔ ان کا یہ جوہر طالب علمی ہی کے زمانے میں کھل گیا تھا۔ مولانا عبدالرحمٰن نگرامی کی صحبت میں اسے مزید ترقی ہوئی۔ وہ خلافت اور مولانا مدنی کے ساتھ جمعیت کے جلسوں میں شریک ہوتے اور اپنی جادو بیانی کا سکہ جما دیتے۔ بعض ثقہ مشاہدین نے مجھے بتایا کہ ان کی تقریروں کے سامنے مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی تقریریں پھیکی ہو جاتی تھیں۔''
>
> (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۱۵)

جب امین احسن نے مولانا فراہی سے خصوصی طور پر قرآن پڑھنا شروع کیا تو تدریس کے آغاز ہی میں فراہی نے انھیں مدرسے کے کام سے سفیر بنا کر سنگاپور بھیجا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ ان کی خطابت کی صلاحیت تھی (ذکر فراہی ۵۶۹)۔

ایک دفعہ مدرسہ میں مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر ہوئی تو ان کے سامنے طلبہ کی نمایندگی کرنے کے لیے امین احسن سے تقریر کرائی گئی۔ جوہر نے اس تقریر کی بڑی داد دی۔ فراہی نے اس کی تحسین ان الفاظ میں کی: ''اس طالب علم نے بہت اچھی تقریر کی ہے۔'' اس پر امین احسن کے استاذ مولانا عبد الرحمٰن نگرامی نے عرض کیا: آپ کی اس تحسین کی کوئی یادگار بھی اس کے پاس ہونی چاہیے۔ پھر فراہی نے اپنا ''مجموعۂ تفاسیر'' انھیں دیا اور اس پر لکھا: ''بصلۂ حسن تقریر'' اور اپنے دستخط ثبت کر دیے۔ اسی تقریب کے ضمن میں امین احسن نے ماہنامہ ''میثاق'' جولائی ۱۹۶۴ء میں ایک مختصر مضمون ''مولانا محمد علی مدرستہ الاصلاح میں'' کے عنوان سے تحریر کیا تھا۔ اس میں انھوں نے جوہر، فراہی اور مولانا محمد قاسم کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

''اگرچہ بڑوں کے اس ذکر کے درمیان اپنا بیان کچھ مناسب نہیں، لیکن جن کا کل سرمایۂ زندگی صرف وہ چند چھوٹی بڑی نسبتیں ہی ہوں جو بڑوں سے ان کو حاصل ہوئیں وہ اگر ان کو بیان نہ کریں تو آخر اپنے طرۂ افتخار کی آرایش کے لیے سامان کہاں سے لائیں گے۔ اس وجہ سے مجھے یہ واقعہ ذکر کرنے کی اجازت دیجیے کہ یہی جلسہ، جس کا اوپر ذکر ہوا، اول اول مجھے پبلک میں روشناس کرانے کا ذریعہ بنا۔ وہ اس طرح کہ مجھے مدرسہ کی تعلیم و تربیت کا نمونہ دکھانے کے لیے مدرسہ کے ذمہ داروں کی طرف سے اس جلسہ میں ایک تقریر کرنے کی ہدایت کی گئی۔ چنانچہ میں نے اس میں ایک تقریر کی۔ یہ تقریر میری اپنی ہی تیار کردہ تھی اور اگرچہ کسی پبلک جلسہ میں یہ میری بالکل پہلی تقریر تھی، لیکن میری عمر اور علم کے اعتبار سے نہایت کامیاب رہی۔ مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ اور اسٹیج پر بیٹھے ہوئے دوسرے اکابر نے اس کی بڑی تحسین فرمائی۔ یہاں تک کہ مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے بصلۂ حسن تقریر پر اپنے تفسیری رسائل کا ایک سیٹ اپنے دستخط سے مزین فرما کر مجھے بطور انعام عنایت فرمایا۔ اس کے بعد مجھے دور دور سے جلسوں کی شرکت کے لیے دعوت نامے ملنے لگے۔ اور میں کبھی کبھی جلسوں میں شریک بھی ہونے لگا۔ لیکن میں نے یہ لَے زیادہ بڑھنے نہیں دی، اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے استاذ مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ زیادہ تقریریں کرنے کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ تو انھوں نے مجھ سے یہاں تک فرمایا کہ زیادہ تقریریں کرنے سے آدمی کا دل سیاہ ہو جایا کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کو وہ اس درجہ ناپسند فرماتے ہوں اس کی طرف زیادہ راغب ہونا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔'' (۴۶)

جاوید احمد صاحب غامدی بیان کرتے ہیں:

"...ایک مرتبہ محمد علی جوہر اور سید سلیمان ندوی جیسے لوگوں کی موجودگی میں، نوجوان امین احسن نے تقریر کی۔ ان کی خطابت کا جو رنگ بعد میں نمایاں ہوا اور جس کی داد اپنے وقت کے بے مثل خطیب سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے اس طرح دی کہ خطیب تو میں بھی ہوں، لیکن تم عالم بھی ہو اور خطیب بھی ہو، اس کی کچھ جھلک اس تقریر میں بھی تھی۔ لوگوں نے بہت داد دی، لیکن وہ منتظر تھے کہ استاذ امام کیا کہتے ہیں۔ شام کو درس کے لیے حاضر ہوئے تو کسی نے امام فراہی سے ذکر کیا۔ وہ کچھ دیر دوسروں کی باتیں سنتے رہے، پھر اپنے خاص انداز میں فرمایا: ہاں بھئی، یہ بڑے ابوالکلام آزاد ہیں۔ امین احسن بتاتے تھے کہ انھوں نے لفظ 'آزاد' اس طرح ادا کیا کہ ان کی یہ تعریف میرے لیے تعریف کم اور تنبیہ زیادہ ہوگئی۔ میرے استاد کی تربیت کا یہی انداز تھا۔"

(اشراق جنوری/فروری ۱۹۹۸ء، ۱۵)

## شعر و ادب

۱۹۲۵ء میں فراہی کے حکم پر مدرسہ کے کسی کام سے ملایا (ملائشیا) گئے تو اپنے ہم درس اختر احسن نے واپسی کے بارے میں پوچھا تو امین احسن نے خط لکھا، جس میں ایک جملہ یہ بھی تھا کہ:

"سمندر کی سرجوشی کے ایام بہار ہیں۔ آج کل سفر ممکن نہیں۔"

فراہی نے پڑھا تو کہا:

"امین میاں تو ادیب ہیں۔"

امین احسن خود بتایا کرتے تھے کہ زمانۂ طالب علمی میں اگر کوئی شخص ان سے پوچھتا کہ وہ کیا بننا چاہتے ہیں تو کہتے: ادیب الہند۔

اسی زمانے میں شاعری کا بھی شوق رہا، مگر یہ شوق جلد ہی ختم ہو گیا، اس کی وجہ ان کی معیار پسندی تھی۔ خود بتایا کرتے تھے کہ میں نے شبلی سے موازنہ کیا تو خیال ہوا کہ میں ان جیسے شعر نہیں کہہ سکتا۔ اس کے بعد پھر میں نے اس کوچے میں قدم نہیں رکھا۔

جن دنوں امین احسن کو شاعری کا شوق تھا، اس وقت کا ایک دل چسپ واقعہ ہے۔ ان کی طبیعت میں شوخی تو شروع سے تھی۔ مدرسہ کے ایک استاد کی ہجو لکھ دی۔ مولانا نگرامی کو معلوم ہوا تو طلب کیا، تنبیہ کی، کچھ جرمانہ بھی کیا، لیکن ساتھ ہی کہا: اس میں شبہ نہیں کہ تمھاری نظم بہت اچھی ہے۔

مدرسہ کے زمانے میں "سبع معلقات" کا امتحان ہوا۔ سید سلیمان ندوی ممتحن تھے۔ امین احسن نے پرچہ

حل کیا۔ سید سلیمان نے ان کے پرچے پر لکھا:

"یہ ایک طالب علم کا پرچہ ہے۔ مجھے "ندوہ" کے لیے اس طرح کے استاد بھی کہاں سے ملیں گے۔"

اگرچہ امین احسن نے شعر و ادب کو اپنا اوڑھنا بچھونا تو نہیں بنایا، مگر آپ کے اندر اس کی بھرپور صلاحیت موجود تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی علمی تحریروں، حتیٰ کہ عام گفتگو میں بھی ادبی رنگ نمایاں ہوتا ہے۔

## عربی شاعری

جناب جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

"...ایک مرتبہ (امین احسن نے) بتایا کہ لوگوں نے امام فراہی سے کہا: امین تو کہتے ہیں کہ عربی شاعری بھی کوئی شاعری ہے۔ کچھ پتا نہیں چلتا کہ اونٹنی کی تعریف کر رہے ہیں یا محبوبہ کی۔ امام فراہی نے کہا: انھیں کسی نے شعر سمجھایا نہیں ہو گا۔ میں آیا تو انھوں نے پوچھا۔ میں نے وہی بات دہرا دی۔ استاذ امام نے کہا: کوئی شعر پڑھو۔ میں نے معلقۂ امرؤالقیس کا پہلا شعر پڑھ دیا: 'قفا نبك من ذكري حبيب و منزل'۔ امام نے کہا: ترجمہ کرو۔ میں نے اسی طرح ترجمہ کر دیا، جس طرح بالعموم مدرسوں میں کیا جاتا ہے۔ امام نے کہا: نہیں، یوں نہیں، اس طرح ترجمہ کرو کہ: ٹھیرو، ٹھیرو، دوستو، جاناں اور منزل جاناں پہ آنسو بہانے دو۔ میں پکار اٹھا: لاریب، شعر ہو گیا۔ اب یہ شعر ہو گیا ہے۔ وہ کہتے تھے، اس کے بعد عربی شاعری ہی میری سب سے زیادہ پسندیدہ شاعری ہو گئی۔" (ماہنامہ اشراق، جنوری/فروری ۱۹۹۸ء، ۱۶)

## نحو پر دسترس

جاوید احمد صاحب غامدی نے لکھا:

"مدرسہ میں جن لوگوں کی ان سے چشمک رہتی تھی، انھوں نے فراہی سے کہا: امین احسن کو نحو سے کچھ زیادہ مناسبت نہیں ہے۔ بتاتے تھے: میں درس میں حاضر ہوا تو آتے ہی استاذ امام نے پوچھا: امین، 'ل' کیا صیغہ ہے؟ میں نے جواب دیا، معنی عرض کیے، تو بڑے خشمگیں انداز میں لوگوں کی طرف دیکھا، پھر فرمایا: کون کہتا ہے کہ امین کو نحو نہیں آتی۔" (ماہنامہ اشراق، جنوری/فروری ۱۹۹۸ء، ۱۶)

## "عظیم کم سن"

جناب جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

"اسی طرح کے ایک موقع پر امام فراہی نے اپنے درس کے حاضرین سے پوچھا: اس درس میں سب سے کم سن کون ہے؟ لوگوں نے کہا: امین احسن۔ انھوں نے پوچھا: سب سے بعد میں کون شریک ہوا؟ لوگوں نے کہا: امین احسن۔ اس پر فرمایا: سیدنا مسیح کا ارشاد ہے کہ کتنے ہیں جو پیچھے آنے والے ہیں، مگر دوسروں سے آگے نکل جائیں گے۔" (ماہنامہ اشراق، جنوری/فروری ۱۹۹۸ء، ۱۶)

ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب نے ایک انٹرویو میں امین احسن سے پوچھا: تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کی کیا مصروفیات تھیں؟

"جواب: تعلیم سے فراغت کے بعد بھی مدرسہ ہی میں عربی ادب اور قرآن کا مدرس مقرر ہوا۔ اس زمانے میں میرے معمولات بالکل متعین تھے اور میں ہر قیمت پر ان کی پیروی کرتا۔ صبح ۳ بجے بیدار ہوتا، نماز سے فارغ ہو کر پڑھنے میں مشغول ہو جاتا۔ مدرسہ میں روزانہ ۳ سے ۴ گھنٹے کی تدریس کی مصروفیت رہتی۔ ظہر کی نماز کے بعد کچھ دیر کے لیے مولانا فراہی کے کمرے میں جاتا اور قرآن کے مختلف مقامات کے بارے میں ان سے سوالات کرتا۔ مولانا شبلی نعمانی کے بھائی اسحاق نعمانی کے بیٹے فاروق نعمانی سے میری بڑی دوستی تھی۔ ان کے ساتھ شام کے وقت فٹ بال اور والی بال کھیلنے جاتا۔ جس دن کھیل کا موقع نہ ملتا، اس دن گھنٹا بھر عصر کے بعد سیر ضرور کرتا۔ رات کو پابندی سے ۹ بجے سو جاتا۔ اس کے علاوہ دن میں نہ سوتا۔ ... ملنے ملانے میں بہت بخیل تھا کسی نے ایک دن آکر مولانا فراہی سے شکایت کی تو مولانا نے فرمایا: یہ اپنے سے مشغول رہنے والے آدمی ہیں۔" (ماہنامہ اشراق، جنوری/فروری ۱۹۹۸ء، ۱۱۱)

## صحافت

مدرسہ سے سند فراغ حاصل کرنے کے بعد امین احسن کو اخبار "مدینہ" بجنور کے مالک محمد مجید حسن نے اخبار میں کام کرنے کی پیش کش کی۔ وہ امین احسن کی تحریری صلاحیت کے معترف تھے۔ امین احسن نے اخبار کے نائب مدیر کا کام سنبھالا۔ اس زمانے میں "مدینہ" یوپی کا سب سے اچھا اخبار سمجھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ ان دنوں تحریک خلافت کا علم بردار سیاست میں کانگریس کا ہم نوا اخبار سمجھا جاتا تھا۔

اس وقت امین احسن کی عمر صرف اٹھارہ برس تھی، اس لیے مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک دفعہ کہا تھا کہ اخبار "مدینہ" کو نابالغ مدیر میسر آگیا ہے۔

مجید حسن نے بچوں کے ایک ہفت روزہ "غنچہ" کی ادارت بھی امین احسن کے سپرد کر دی۔ اس کے علاوہ

امین احسن نے مولانا عبدالماجد دریابادی کے اخبار ''سچ'' کے لیے بھی کام کیا تھا۔

## تحریک آزادی

امین احسن کے شاگرد محترم سلیم کیانی لکھتے ہیں:

''...اپنے متعدد ہم عصر مفکرین کی طرح وہ بھی برطانوی سامراج سے ہندوستان کی تحریک آزادی سے متاثر ہوئے اور کچھ عرصہ تک کانگریس پارٹی کی مقامی شاخ کے صدر بھی رہے۔

دوسرے علما کی طرح برطانوی سامراج سے ہندوستان کی آزادی، جس کے معنی مسلمانوں کی آزادی بھی تھی، ان کے نزدیک بڑی اہمیت کی حامل تھی۔'' (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۲۴)

## فراہی، امین احسن اور قرآن

امام حمید الدین فراہی ریاست حیدر آباد میں نظام دکن کے قائم کردہ دارلعلوم عثمانیہ کے پرنسپل تھے۔ البتہ اس وقت نظم قرآن کا طرز فکر متعارف کرانے کی وجہ سے علمی اور دینی حلقوں میں شہرت پا چکے تھے۔ ۱۹۲۵ء میں اپنے منصب سے استعفیٰ دے دیا اور اپنے علاقے پھریہا، ضلع اعظم گڑھ لوٹ آئے۔ امین احسن ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فراہی بجلی (پروا) میں گھر کے باہر چبوترے پر کھڑے تھے۔ رسمی بات چیت کے بعد فراہی نے مصروفیات کے بارے میں پوچھا:

''کیا آپ اخبار نویسی ہی کریں گے یا ہم سے قرآن پڑھیں گے؟''

امین احسن بتایا کرتے تھے کہ ان دنوں میں ایک اخبار کا مدیر تھا اور اچھے مشاہرے پر کام کر رہا تھا، لیکن میں نے بغیر کسی توقف کے عرض کیا:

''اگر آپ قرآن پڑھائیں تو میں حاضر ہوں۔''

فراہی بولے:

''آپ کا قیام وطعام میرے ساتھ رہے گا۔ معاملات کو جلد سمیٹ کر آجایئے۔''

یوں امین احسن مولانا عبدالماجد دریابادی کے ''سچ'' کی ادارت سے استعفیٰ دے کر لکھنؤ سے پھریہا آگئے اور ایک مرتبہ پھر طالب علم کی زندگی اختیار کرلی۔ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی لکھتے ہیں:

''...(امین احسن) لکھنؤ جا کر سامان وغیرہ لے آئے۔ مولانا کو معلوم تھا کہ اصلاحی صاحب کی سسرال یہیں ہے، مگر ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہاں سسرال میں رہنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مولانا نے

انھیں جس مقصد سے بلایا تھا وہ سسرال میں رہ کر کما حقہٗ پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ مولانا نے فرمایا۔ آپ یہیں اس بنگلے میں رہیں گے اور کھانا میرے ساتھ کھائیں گے ۔ مولانا نے آبائی مکان کے قریب ہی ذرا ہٹ کر ایک شاندار بنگلہ اپنے صرف سے بنوایا تھا جو موجود تو اب بھی ہے مگر کھنڈر میں تبدیل ہو چکا ہے ۔ اس بنگلے کی انجینئرنگ مولانا نے خود ہی کی تھی ۔ وہ انجینئر تو تھے نہیں اس لیے بعض سنگین نقائص رہ گئے ۔ چھت اور دیواروں سے پانی رستا تھا۔

مولانا نے اصلاحی صاحب کو بلایا تو تھا اپنے نہج پر قرآن پڑھانے کے لیے اور ابتداءً ان کا خیال یہی تھا کہ پھریہا میں ان کو اپنے ساتھ رکھیں گے اور یہیں ان کو پڑھائیں گے ، مدرسے کے باقی اساتذہ یا سینئر طلبہ کو شریک کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ مگر مدرسے کے اساتذہ کو جب اس کا علم ہوا تو وہ وفد بنا کر پھریہا آئے اور مولانا سے درخواست کی کہ درس کا سلسلہ پھریہا کی بجائے مدرسہ پر شروع کیا جائے تاکہ دوسرے لوگ بھی مستفید ہو سکیں۔ وفد میں مولوی سعید صاحب اور مولوی اختر احسن صاحب بھی تھے۔ پہلے تو مولانا نے ٹالنا چاہا مگر ان کے اصرار پر انھوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اور درس کا سلسلہ مدرسہ پر شروع ہو گیا۔ درس شروع ہونے سے پہلے ہی مولانا اصلاحی مدرسہ کے کام سے ایک وفد کے ساتھ ملایا چلے گئے۔ اس وفد میں اصلاحی صاحب کے علاوہ مدرسے کے دو استاد مولوی شبلی ندوی متکلم اور مولوی عبد الاحد صاحب اصلاحی بھی تھے۔ مولانا کے کہنے پر ہی اصلاحی صاحب ملایا گئے ۔ مولانا نے کہا آپ کو پڑھاؤں گا تو لیکن اس سے پہلے آپ سے ایک کام لینا ہے آپ وفد کے ساتھ ملایا چلے جائیں۔ اصلاحی صاحب ملایا چلے گئے۔ تقریباً ٦ ماہ ملایا میں انھوں نے قیام کیا۔ واپس آئے تو درس جاری تھا۔ اس میں شامل ہو گئے ۔ لیکن باوجودیکہ وہ درس میں بعد میں شریک ہوئے، مگر اپنی ذہانت، محنت، طبعی مناسبت اور دلچسپی کی وجہ سے بہت جلد وہ سب کو پیچھے چھوڑ گئے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر مولانا فراہی اکثر حضرت مسیح کا یہ قول دہراتے تھے کہ کتنے ہی بعد میں آنے والے ایسے ہیں کہ پہلے آنے والوں سے آگے نکل جاتے ہیں۔" (ذکر فراہی ۵۷۰)

اسی زمانہ میں اصلاحی صاحب نے قرآن مجید کے علاوہ عربی ادب اور فلسفے کی بعض وہ شاخیں بھی پڑھیں جن کا تعلق قرآن اور قرآن فہمی سے تھا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ استفادہ حلقۂ درس قرآن سے باہر الگ کیا ہو گا۔ فرماتے ہیں:

"یہ اللہ کا ایک انعام تھا کہ انھوں نے خود مجھے دعوت دی کہ میں ان سے قرآن پڑھوں۔ پانچ سال پورے ان کے ساتھ گزارے۔ اس کے بعد جب ان کی وفات ہوئی تو مجھ پر قرآن کی فہم کی راہ کھل چکی تھی۔ اس کے بعد سے قرآن ہی میری دلچسپی کا مرکز و محور رہا۔ پانچ سال تک ان سے قرآن پڑھا۔ اس کے ساتھ ہی ادب عربی

اور فلسفے کے وہ مباحث بھی پڑھے جن کا تعلق قرآن سے ہے۔ الحمد للہ سے لے کر والناس تک پورا قرآن پڑھا۔ میری ہی وجہ سے مدرسے میں انھوں نے درس شروع کیا۔ پانچ سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

اس پنچ سالہ دور تلمذ میں، جرمنی فلاسفر بلنچلی کی ''تھیوری آف دی اسٹیٹ'' مولانا فراہی نے مولانا اصلاحی کو سبقاً سبقاً پڑھائی تھی۔ جو ان کی کتاب ''اسلامی ریاست'' کی صورت میں منظر عام پر آئی۔

زبانی ذکر کے علاوہ امین احسن اصلاحی نے اس کو ''مجموعۂ تفاسیر فراہی'' کے دیباچہ میں بھی بیان کیا ہے(۳۵) لیکن وہاں کتاب ''اسلامی ریاست'' کا ذکر نہیں کیا ہے۔ شاید اس وقت تک لکھی نہ ہو۔

اسی پنچ سالہ دور میں، عربی زبان و ادب اور نحو وغیرہ کی ابتدائی خامیاں جو رہ گئی تھیں وہ مولانا کے وقت میں دور ہوئیں۔

اسی دور تلمذ میں امین احسن اصلاحی کی شاگردانہ کاوشوں کا بھرپور اجمالی اظہار ان کے درج ذیل اقتباس میں ہے۔

> ''میں پورے چھ سال ان کی صحبت میں شب و روز رہا ہوں۔ اس چھ سال کی صحبت میں شاید ہی کوئی صبح و شام ایسی گزری ہو جس میں مجھے علمی و مذہبی مسائل پر ان سے کھل کر بحث کرنے اور ان کے خیالات معلوم کرنے اور اپنے شبہات ان کے سامنے پیش کرنے کا موقع نہ ملا ہو۔'' (ذکر فراہی ۱۷۵)

سرائے میر میں تدریس شروع ہوئی۔ فراہی نے جس عمارت میں قیام کیا، اس عمارت کے سامنے کا کمرہ امین احسن کا تھا۔ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی کے مطابق:

> ''... ''ہال'' کے ان چار کمروں میں سے ایک میں وہ رہتے تھے جس کے ایک کمرے میں مولانا فراہی رہتے تھے۔ فراہی کے کمرے میں اور سائبان میں جہاں درس ہوتا تھا خود اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے تھے۔ حالانکہ جھاڑو دینے کے لیے خاکروب ملازم تھے۔ رہایش کے اعتبار سے مکانی قرب اختر احسن اور امین احسن دونوں کو برابر کے درجے میں حاصل تھا، اس فرق کے ساتھ کہ اختر کا کمرہ فراہی کے مغرب میں مسجد کے قریب تھا اور امین کا کمرہ فراہی کے جنوب میں مسجد سے دور تھا۔ جیسے ایک کنبے کے افراد ایک گھر میں رہتے ہیں۔ ۲۴ گھنٹے کا ساتھ تھا مدرسے میں مولانا فراہی کا درس تو ایک آدھ گھنٹے کے لیے ہوتا تھا۔ اس کی نوعیت ایک کلاس یا حلقے کی تھی۔ انفرادی توجہ کے جو مواقع شب و روز کی یکجائی میں اختر اور امین کو ملے، اہل نظر کے لیے اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ اٹھتے بیٹھتے سوال و جواب، استفسار، بحث و نظر، تحقیق و تنقید میں جو وقت گزرتا ہوگا اس کی بات ہی کچھ اور ہے۔ اختر احسن اصلاحی کی زبان سے خلوت تو کیا جلوت کی بھی کوئی بات کبھی سننے کا اتفاق

نہیں ہوا۔ لیکن امین احسن اصلاحی کی زبان سے خلوت وجلوت کی بہت سی باتیں سنیں۔'' (ذکر فراہی ۵۶۸)

اس طرح امین احسن اپنے استاذ کی ضروریات کا خیال رکھتے، ان کی خدمت کے لیے ہر وقت حاضر رہتے اور قرآن کے اسباق کی بہتر تیاری کر لیتے۔ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ انھیں فراہی سے فیض یاب ہونے کا زیادہ موقع ملا۔ یہ تدریس ۱۹۳۰ء کے اواخر تک جاری رہی۔

ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی اس درس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''... فکر فراہی یا فراہی مکتب فکر نام کی کوئی چیز اگر موجود ہے تو اس میں یہ درس اصل واساس کا حکم رکھتا ہے۔ اس درس کا ذکر مراکشی اسکالر علامہ تقی الدین ہلالی، مولانا سید سلیمان ندوی، امین احسن اصلاحی کے علاوہ ہر اس شخص نے کیا ہے جس نے فراہی پر قلم اٹھایا۔ یوں تو مولانا فراہی کی سوانح حیات میں درس قرآن کا ایک سلسلۂ کوہ نظر آتا ہے، مگر مدرسہ پر ان کا درس قرآن ماؤنٹ ایورسٹ کے مانند ہے۔ یہ درس نہ ہوتا تو اس کے دو خاص شرکاء اختر احسن اور امین احسن نہ ہوتے تو فکر فراہی یا فراہی اسکول آف تھاٹ کا یہ چرچا نہ ہوتا۔ امین احسن اصلاحی راست مولانا فراہی کی تربیت میں آئے تو ان کی عمر بیس سے متجاوز ہو چکی تھی۔''

(ذکر فراہی ۵۶۹)

امین احسن نے فراہی سے علوم تفسیر ہی نہیں پڑھے، بلکہ ان کے طرز تفسیر میں مہارت بھی حاصل کی۔ عربی شاعری کی مشکلات کے حل میں ان سے مدد لی۔ سیاسیات کی ایک اہم کتاب بلنچلی کی ''تھیوری آف اسٹیٹ'' سبقاً سبقاً پڑھی۔ فلسفہ کی بعض چیزیں استاذ کی نگرانی میں پڑھیں۔ اس عرصے میں امین احسن Stoics کے فلسفے سے بہت متاثر ہوئے۔ بتایا کرتے تھے کہ ''میں مارکس آریلیئس (Marcus Aurelius) کی تحریریں پڑھ کر رویا کرتا تھا۔ مولانا فراہی کو معلوم ہوا تو انھوں نے اس کے فلسفے پر ایک تقریر کی، جس کے بعد میرے دل کو قرار آ گیا۔''

## طالب علمی کا ایک انداز

جناب جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں کہ امین احسن بتاتے تھے:

''... ''سبع معلقات'' پڑھ رہا تھا۔ ایک جگہ 'لا' سمجھ میں نہیں آیا۔ سب شارحین کو دیکھا۔ ادیب الہند مولوی فیض الحسن سہارن پوری کی شرح بھی دیکھی، لیکن کسی رائے پر اطمینان نہیں ہوا۔ کتاب لے کر امام فراہی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ اپنے دار المطالعہ کے باہر کھڑے تھے۔ میں نے مشکل بیان کی۔ لمحے بھر کو رک کے۔

جیب سے پنسل نکالی اور میری کتاب پر لکھا: 'لاهي نادرة'۔ میاں، جس طرح تم لوگ نہیں کہتے کہ جس گھڑی میری موت نہ آجائے۔ یہ اسی طرح کا 'لا' ہے۔ زبان کے غوامض تک پہنچنے کا یہ انداز صرف استاد ہی کا حصہ تھا۔''(ماہنامہ اشراق، جنوری/فروری ۱۹۹۸ء، ۱۷)

## محبوب استاد، محبوب شاگرد

ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی نے لکھا ہے:

''... گمان ہوتا ہے کہ امین احسن مولانا فراہی کے چہیتے نہیں محبوب شاگرد تھے۔

اسی طرح یہ گمان بھی ہوتا ہے کہ مولانا فراہی، امین احسن کے محبوب استاد تھے۔ مولانا اصلاحی وقتاً فوقتاً ملاقاتوں میں ایسی باتیں مجھ سے بیان کر جاتے تھے جو استاد اور شاگرد کے مابین ہوتی تھیں۔ اور جن سے مترشح ہوتا ہے کہ مولانا فراہی، امین احسن اصلاحی کے لیے پسندیدگی کے جذبات رکھتے تھے۔ وہ ان کو چاہتے تھے۔ میں نے اس طرح کی کچھ باتیں نوٹ کر رکھی ہیں۔ چند باتیں جو اس وقت سامنے موجود ہیں، نمونہ کے طور پر ان کو درج کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔

امین احسن اصلاحی نے مجھ سے بیان کیا:

''میں لوگوں کے ساتھ زیادہ خلط ملط نہیں ہوتا تھا۔ اگر کوئی مولانا سے میری اس روش کی شکایت کرتا تو مولانا بجائے مجھے کچھ کہنے کے فرماتے ''یہ اپنے ہی ساتھ مشغول رہتے ہیں''۔''

امین احسن اصلاحی نے مجھ سے بیان کیا:

''مولانا کے مسودات میں نے نقل کرنے کے لیے کسی اور کو دے دیئے تو انھوں نے کہا کہ کیوں دے دیا مجھے تمھارا خط بہت پسند ہے۔ تمھارے خط میں ابوالکلام کے خط کی شان ہے۔ میں نے کہا میرا ہاتھ ٹھیک کام نہیں کرتا اس لیے میرا خط خراب ہو گیا ہے۔''

معلوم ہوا کہ اصلاحی صاحب کے ہاتھ میں رعشہ کی جو بیماری تھی اس کی ابتداء بیس کے بعد کے عشرے میں ہو گئی تھی۔

امین احسن اصلاحی نے مجھ سے بیان کیا:

مدرسے میں صفائی کے لیے آدمی مقرر تھے۔ مگر اصلاحی صاحب جب مولانا ہوتے ان کے کمرے کی صفائی خود کرتے۔ پانچو یا جہانگیر کی بجائے کمرے میں اور سائبان میں بچھے ہوئے ٹاٹ پر خود جھاڑو دیتے۔

مولانا دیکھتے تو اظہار شفقت اور قدر افزائی کے لیے کہتے: ''یہ تو خود خدمت کیے جانے کے لائق ہیں مگر ہماری خدمت کرتے ہیں''۔''(ذکر فراہی ۵۷۲)

## استاد بھائی اور ہم درس: مولانا اختر احسن اصلاحی

فراہی کی تدریس کے دوران میں امین احسن کے ہم درس تو مدرستہ الاصلاح کے کئی اساتذہ تھے، مگر صحیح معنوں میں ہم درس کہلانے کے مستحق مولانا اختر احسن اصلاحی تھے۔ اختر احسن مدرسہ کی تعلیم کے دوران میں بھی ان کے ہم جماعت تھے۔ فراہی کی تدریس کے زمانے میں دونوں ایک دوسرے کا بھائیوں کی طرح خیال رکھتے تھے۔ فراہی کی خاص توجہ ان دونوں پر رہی۔ بلاشبہ، دونوں نے بڑی محنت سے کسب فیض بھی کیا۔ امین احسن اعتراف کرتے ہیں کہ اختر احسن صاحب نے میری علمی خامیاں دور کرنے میں نہایت فیاضی سے مدد کی۔

امین احسن، اختر احسن کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

''میں اور مولانا اختر احسن اصلاحی مرحوم دونوں ایک ہی ساتھ ۱۹۱۴ء میں مدرستہ الاصلاح (سرائے میر، اعظم گڑھ) کے ابتدائی درجوں میں داخل ہوئے اور مدرسہ کا آٹھ سال کا تعلیمی کورس پورا کر کے ایک ہی ساتھ ۱۹۲۲ء میں فارغ ہوئے۔ اس کے بعد مولانا اختر احسن تو مدرسہ ہی میں تدریس کی خدمت پر مامور ہو گئے اور میں دو ڈھائی سال اخبارات میں اخبار نویسی کرتا پھرا۔ ۱۹۲۵ء میں استاذ امام مولانا فراہیؒ نے مجھے یہ ایماء فرمایا کہ میں اخبار نویسی کا لاطائل مشغلہ چھوڑ کر ان سے قرآن پڑھوں۔ میرے لیے اس سے بڑا شرف اور کیا ہو سکتا تھا۔ میں فوراً تیار ہو گیا اور مولاناؒ نے مدرسہ ہی میں درس قرآن کا آغاز فرما دیا جس میں مدرسہ کے دوسرے اساتذہ کے ساتھ مولانا اختر احسن مرحوم بھی شریک ہوتے رہے۔ یہ سلسلہ پورے پانچ سال قائم رہا۔

طالب علمی کے دور میں تو ہم دونوں کے درمیان ایک قسم کی معاصرانہ چشمک و رقابت رہی، تعلیم کے میدان میں بھی اور کھیل کے میدان میں بھی، لیکن مولانا فراہیؒ کے درس میں شریک ہونے کے بعد ہم میں ایسی محبت پیدا ہو گئی کہ اگر میں یہ کہوں تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہو گا کہ ہماری یہ محبت دو حقیقی بھائیوں کی محبت تھی ۔ وہ عمر میں مجھ سے غالباً سال ڈیڑھ سال بڑے رہے ہوں گے۔ انھوں نے اس بڑائی کا حق یوں ادا کیا کہ جن علمی خامیوں کو دور کرنے میں مجھے ان کی مدد کی ضرورت ہوئی اس میں انھوں نے نہایت فیاضی سے میری مدد کی۔ بعض فنی چیزوں میں ان کو مجھ پر نہایت نمایاں تفوق حاصل تھا۔ اس طرح کی چیزوں میں ان کی مدد سے میں نے فائدہ اٹھایا۔ اس پہلو سے اگر میں ان کو اپنا ساتھی ہی نہیں، بلکہ استاذ بھی کہوں تو شاید بے جا نہ ہو۔

مولانا فراہیؒ کے درس میں اگرچہ مدرسہ کے دوسرے اساتذہ بھی شریک ہوتے، لیکن میرے واحد ساتھی مولانا اختر احسن ہی تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خاص توجہ بھی ہم ہی دونوں پر رہی۔ مولانا اختر احسن اگرچہ بہت کم سخن آدمی تھے، لیکن ذہین اور نہایت نیک مزاج۔ اس وجہ سے ان کو برابر مولاناؒ کا خاص قرب اور اعتماد حاصل رہا۔ انھوں نے حضرت استاذؒ کے علم کی طرح ان کے عمل کو بھی اپنانے کی کوشش کی جس کی جھلک ان کی زندگی کے ہر پہلو میں نمایاں ہوئی اور مجھے ان کی اس خصوصیت پر برابر رشک رہا۔ مولانا اختر احسن کو استاذ امامؒ کی خدمت کا بھی شرف حاصل ہوا، حالانکہ مولاناؒ کسی کو خدمت کا موقع مشکل ہی سے دیتے تھے۔ یہ شرف ان کو ان کی طبیعت کی اپنی خوبیوں کی وجہ سے حاصل ہوا جن کی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا۔

استاذ امام رحمۃ اللہ علیہ مدرستہ الاصلاح کے ذریعہ سے جو تعلیمی اور فکری انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے اس میں سب سے بڑی رکاوٹ موزوں اشخاص نہ ملنے کے سبب سے تھی۔ مولانا اختر احسن مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت سے اس مقصد کے لیے بہترین آدمی بن گئے تھے۔ اگر ان کو کام کرنے کی فرصت ملی ہوتی تو توقع تھی کہ ان کی تربیت سے مدرستہ الاصلاح میں نہایت عمدہ صلاحیتوں کے اتنے اشخاص پیدا ہو جاتے جو نہایت وسیع دائرے میں کام کر سکتے، لیکن ان کو عمر بہت کم ملی، اور جو ملی اس میں بھی وہ برابر مختلف امراض کا ہدف رہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا حوصلہ عطا فرمایا تھا۔ اپنی مختصر زندگی میں انھوں نے مدرستہ الاصلاح کی بڑی خدمت کی اور خاص بات یہ ہے کہ اپنی اس خدمت کا معاوضہ انھوں نے اتنا کم لیا کہ اس ایثار کی کوئی دوسری مثال مشکل ہی سے مل سکے گی۔

میں نے ۱۹۳۵ء میں استاذ امام رحمۃ اللہ علیہ کی غیر مطبوعہ تصنیفات کی ترتیب و تہذیب اور اشاعت کے لیے مدرستہ الاصلاح میں دائرۂ حمیدیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ اس کے زیر اہتمام ایک اردو ماہنامہ بھی 'الاصلاح' کے نام سے جاری کیا تاکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے افکار سے اردو خواں طبقہ کو بھی آشنا کیا جائے۔ اس ادارے میں مولاناؒ کے عربی مسودات کی ترتیب و تہذیب کا کام مولانا اختر احسن مرحوم نے اپنے ذمہ لیا اور رسالہ کی ترتیب کی ذمہ داری میں نے اٹھائی۔ مولانا اختر احسن اگرچہ تحریر و تقریر کے میدان کے آدمی نہیں تھے، لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کے ترجمہ کے کام میں انھوں نے میری بڑی مدد فرمائی اور رسالہ میں بھی ان کے مضامین وقتاً فوقتاً نکلتے رہے۔ رسالہ تو کچھ عرصہ کے بعد بند ہو گیا، لیکن دائرۂ حمیدیہ الحمد للہ برابر استاذ امامؒ کی عربی تصنیفات کی اشاعت کا کام کر رہا ہے اور اس کے کرتا دھرتا مولانا اختر احسن مرحوم کے تلامذہ ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی مشکور فرمائے۔

مولانا اختر احسن مرحوم پر یہ چند سطریں میں نے مولانا کے ایک شاگرد کے اصرار پر لکھ دی ہیں۔ اگر مجھے استاذ مرحوم کی سیرت لکھنے کی سعادت حاصل ہوتی تو اس بسلسلۂ تلامذۂ فراہی کا ذکر تفصیل سے آتا، لیکن اب بظاہر اس طرح کے کسی کام کا موقع میسر آنے کی توقع باقی نہیں رہی۔ اب تو بس یہ آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں استاذ مرحوم کے ساتھ برادر مرحوم کی معیت بھی نصیب کرے۔"(سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۴۲-۴۳)

## مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری

امام فراہی جیسی شخصیت سے قرآن مجید پڑھنے کے بعد امین احسن کے دل میں خیال آیا کہ حدیث بھی کسی غیر معمولی شخصیت سے پڑھی جائے۔ فراہی اس وقت وفات پا چکے تھے۔ یہ امین احسن کی خوش قسمتی تھی کہ ان کے اپنے علاقے ہی میں ایک قصبہ مبارک پور میں شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری رہتے تھے۔ وہ حدیث میں نہایت عالی سند رکھتے تھے۔ وہ صحاح ستہ کی مشہور کتاب جامع ترمذی کے استاذ تھے اور ان دنوں اس کی شرح "تحفۃ الاحوذی" کے نام سے لکھ رہے تھے۔ امین احسن کے والد سلفی المسلک اور مولانا عبدالرحمٰن کے عقیدت مند اور ان علمی مجالس کے حاضر باش تھے۔ وہ امین احسن کو شیخ الحدیث کے پاس لے گئے۔ امین احسن نے انھیں حدیث پڑھانے کی درخواست کی۔ امین احسن مدرسۃ الاصلاح کے فاضل اور فراہی کے شاگرد تھے، یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اسی بات کے پیش نظر شیخ الحدیث نے کہا کہ آپ تو سب کچھ پڑھے ہوئے ہیں اور رسمی طور پر ترمذی کی ایک حدیث پڑھا کر کتاب پر سند لکھی، دستخط کیے اور امین احسن کے حوالے کر دی، مگر امین احسن کا اصل مسئلہ تو سند نہیں، علم تھا۔ چنانچہ کہا:

"میں محدثین کرام کا یہ تاج اپنے سر پر سجانے کے لیے محض آپ کی اجازت لینے کے لیے نہیں آیا، بلکہ علم حدیث کو بطور فن آپ سے سیکھنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ ترمذی شریف کے ماسٹر ہیں۔ مجھے باقاعدہ شاگردی میں لیجیے۔"

شیخ الحدیث نے بخوشی اجازت دے دی اور پوچھا:

"کیا پڑھو گے؟"

عرض کیا:

"آپ ترمذی کے شارح ہیں، وہی پڑھا دیجیے۔"

اور پھر شیخ الحدیث نے اصول حدیث میں "نخبۃ الفکر" پڑھائی، جامع ترمذی کی تدریس کی اور اپنی شرح

کے لیے رجال حدیث کی تحقیق میں کام لیا۔اس طرح امین احسن فن حدیث کے اصول، سند کی تحقیق، رجال کی جرح وتعدیل کے طریق کار، غرض یہ کہ ہر چیز سے آشنا ہو گئے۔

امین احسن اس زمانے کا ذکر کچھ اس طرح کیا کرتے تھے:

''مبارک پور میں مجھے جو محنت کرنی پڑی، اس کو میں کبھی بھول نہیں سکا۔ وہ رمضان کا مہینا تھا۔ مجھے اپنے گاؤں سے مبارک پور پیدل آنا جانا پڑتا تھا۔تدریس کی مقدار غیر معمولی تھی، جس کے لیے غیر معمولی محنت کرنی پڑتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ مدت کے بعد اس قدر بیمار ہو گیا کہ افاقہ وصحت کی کوئی صورت ہی نظر نہ آتی تھی۔''

''کبھی متن حدیث کے بارے میں کوئی اشکال پیش کر کے استاد گرامی سے وضاحت چاہتا تو وہ فرمایا کرتے کہ اس کی سند دیکھو۔ میں کہتا: سند میں کوئی راوی کمزور نہیں۔ تو فرماتے: پھر آگے بڑھو۔''

اسی ضمن میں جناب جاوید احمد غامدی بیان کرتے ہیں:

''اپنے زمانۂ طالب علمی کا ایک واقعہ وہ بڑے لطف میں سنایا کرتے تھے۔ بتاتے تھے کہ ترمذی کی عبارت پڑھتے ہوئے، میں نے ایک جگہ بہت اعتماد کے ساتھ 'عرف' کو 'ر' کی زیر کے ساتھ پڑھا۔ مولانا نے ٹوکا: 'أنا لا أعرف عرِف' (میں اسے 'ر' کی زیر کے ساتھ نہیں جانتا)۔ میں نے اسی اعتماد کے ساتھ جواب دیا: 'أما أنا فلا أعرف عرَف'، (اور میں اسے 'ر' کی زبر کے ساتھ نہیں جانتا)۔ مولانا نے فرمایا: 'راجع اللغة' (لغت دیکھیے)۔ لغت کی کتاب، غالباً، جوہری کی ''صحاح'' کھولی تو استاد ہی کی بات لکھی ہوئی تھی۔ میں کچھ خفیف ہوا تو مسکرائے، پھر فرمایا: 'استأنف ، وللجواد زلة' (آگے چلو، اصیل گھوڑا بھی پھسل جاتا ہے)۔''

(ماہنامہ اشراق، جنوری/فروری ۱۹۹۸ء، ۱۹)

مولانا ضیاء الدین اصلاحی لکھتے ہیں:

''... والد کی خواہش پر مولانا اصلاحی نے فن حدیث کی امہات کتب از سر نو ان سے پڑھیں اور اس میں بڑا کمال حاصل کیا۔ وہ اپنے جن استادوں کا اکثر تذکرہ کرتے اور جن کے وہ بہت ممنون احسان تھے ان میں مولانا فراہی اور مولانا نگرامی کے ساتھ مولانا مبارک پوری کا نام بھی لیتے۔'' (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۸)

## فقہی رجحان

امین احسن نے فقہی تعلیم مدرسہ ہی میں حاصل کی۔ مدرسہ فقہی تعصب سے پاک تھا۔ تمام فقہی مسالک کو

یکساں اہمیت دی جاتی تھی۔ بعد میں انھوں نے فقہ کا مطالعہ اپنے طور پر جاری رکھا۔ امہات کتب پر ان کی نظر تھی۔ اصول میں وہ حنفی فقہ کو بہتر سمجھتے تھے، مگر بعض مسائل میں احناف سے اختلاف بھی کرتے تھے۔

## مدرستہ الاصلاح میں تدریس

جب امین احسن ۱۹۲۵ء میں سرائے میر آئے تو مدرستہ الاصلاح نے ان کو بطور مدرس مقرر کر لیا۔ وہاں آپ نے قرآن مجید، عربی ادب اور فلسفۂ تاریخ کے مضامین پڑھائے۔ یہ تدریس فراہی کے انتقال کے بعد بھی قائم رہی۔ یہ سلسلہ ۱۹۴۳ء میں ختم ہوا۔

## سنگاپور کا سفر

مدرسہ کے ساتھ ۱۷ سالہ اس وابستگی کے دوران میں امین احسن مدرسہ کے لیے مالی تعاون حاصل کرنے کے لیے ملایا بھی گئے، جہاں ان کے علاقے کے بعض تاجر مقیم تھے۔

ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی کے مطابق:

”مولانا فراہی کی طلبی پر جب وہ مدرسے پر واپس آ گئے تو انھیں مدرسے کے کام سے ایک وفد کے ساتھ سنگاپور جانا پڑا۔ اس کا ذکر کتاب کارروائی مجالس میں اس طرح آیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وفد سنگاپور حتی الوسع جلد (رجب میں) روانہ ہو جائے اور دو سو روپیہ کی منظور دی گئی۔ اور مولوی محمد امین صاحب اور حافظ محمد خلیل صاحب اور ایک اور سفیر یا ملازم ساتھ لے کر جائیں۔ (۱۹۔ الف)

یہ اندراج ۱۷/ جنوری ۱۹۲۶ء کی کارروائی میں ہے۔ اس کے بعد ۲/ مارچ ۱۹۲۶ء کی کارروائی میں یہ اندراج بھی ملتا ہے۔ مولانا فراہی شریک جلسہ ہیں۔

”مولوی محمد امین صاحب کو بجائے مولوی محمد مصطفیٰ کے مقرر کر دیا جائے اور ان کی غیبت میں عبدالستار کو بعد تعطیل رمضان بمشاہرہ ۲۰ روپے مقرر کر دیا جائے“۔“ (ذکر فراہی ۵۶۷)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد وسیم اختر مفتی

# مہاجرین حبشہ

(۲۴)

["سیر و سوانح" کے زیر عنوان شائع ہونے والے مضامین ان کے فاضل مصنفین کی اپنی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

## حضرت عروہ بن ابو اثاثہ رضی اللہ عنہ

### نام و نسب

حضرت عروہ بن ابو اثاثہ کے والد کا نام اثاثہ اور ابو اثاثہ، دونوں طرح نقل کیا گیا ہے۔ عبد العزیٰ بن حرثان ان کے دادا اور عدی بن کعب ساتویں جد تھے۔ حضرت عروہ کو ان کے دادا کی نسبت سے عروہ بن عبد العزیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت عمرو بن العاص حضرت عروہ بن ابو اثاثہ کے ماں شریک بھائی تھے۔ بنو عنزہ کی نابغہ بنت خزیمہ (حرملہ: ابن عبد البر، حریملہ: ابن اثیر) ان دونوں کی والدہ تھیں۔ حضرت عمرو بن العاص سے برسر منبر سوال کیا گیا تو انھوں نے بتایا: بنو عنزہ کی شاخ بنو جلان کی سلمیٰ بنت حرملہ میری والدہ تھیں، نابغہ ان کا لقب تھا۔ کسی غارت گری میں قید ہو کر بازار عکاظ لائی گئیں تو فاکہ بن مغیرہ نے خرید لیا، اس سے عبد اللہ بن جدعان نے اور پھر میرے والد عاص بن وائل نے خریدا، تب انھوں نے مجھے جنم دیا (الاستیعاب ۱۱۸۵۔ اسد الغابۃ ۴/ ۱۱۶)۔

### عروہ یا عمرو

کچھ علماے نسب حضرت عروہ بن اثاثہ اور حضرت عمرو بن اثاثہ کو ابو اثاثہ بن عبد العزیٰ کے دو بیٹے قرار دیتے

ہیں اور ان دونوں کو مہاجرین حبشہ میں شمار کرتے ہیں، ماں ایک ہونے کی وجہ سے دونوں سگے بھائی ہوئے (نسب قریش، مصعب زبیری ۳۸۱۔جمہرۃ انساب العرب، ابن حزم ۱۵۸۔ اسد الغابۃ، ابن اثیر ۳/۴۰۴، بحوالہ زبیر بن بکار)۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں: حضرت عروہ ہی کو عمرو بن ابو اثاثہ کہا گیا ہے، گویا یہ ایک ہی شخصیت ہیں۔ اس کے باوجود انھوں نے عمرو کے باب میں حضرت عمرو بن اثاثہ کا الگ ذکر بھی کیا ہے۔ ابن سعد نے محض حضرت عروہ بن ابو اثاثہ کو مہاجرین و انصار کے طبقۂ ثانیہ میں شامل کیا ہے، انھوں نے عمرو بن اثاثہ کا ذکر تک نہیں کیا (الطبقات الکبریٰ، رقم ۳۹۹)۔

## شرف اسلام

حضرت عروہ بن اثاثہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں نور ایمان سے منور ہوئے۔

## ہجرت حبشہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے مقہور و مجبور مسلمانوں کو مملکت اکسوم، حبشہ ہجرت کرنے کا مشورہ دیا تو حضرت عروہ بن ابو اثاثہ حبشہ کو جانے والے دوسرے قافلے میں شامل ہو گئے۔ بنو عدی کے حضرت معمر بن عبد اللہ، حضرت عدی بن نضلہ اور حضرت نعمان بن عدی بھی ہجرت ثانیہ کے شرکا تھے، جب کہ بنو عدی کے حلیف حضرت عامر بن ربیعہ اور ان کی اہلیہ حضرت لیلیٰ بنت ابو حثمہ ہجرت اولیٰ میں حبشہ جا چکے تھے۔

کچھ مؤرخین نے حضرت عروہ بن ابو اثاثہ کو فتح مکہ کے مہاجرین میں شمار کیا ہے۔ ابن اثیر کہتے ہیں: یہ وہم ہے اور کسی کاتب کی غلطی ہے۔ اس بیان میں دو غلطیاں ہیں: ایک تو فجر اسلام میں فتح مکہ کے بعد ہجرت ختم ہو گئی تھی، دوسرا حضرت عروہ بن ابو اثاثہ قدیم الاسلام تھے اور قیام حبشہ کے دوران میں وفات پا چکے تھے۔

## مورث اول

کتب صحابہ میں یہ روایت نقل ہوئی ہے کہ حضرت عمرو بن اثاثہ (حضرت عروہ بن ابو اثاثہ) دور اسلام کے پہلے فرد تھے جن کی وراثت منتقل ہوئی۔ اس بات کا درست ہونا ممکن نہیں، کیونکہ حضرت عروہ کی اولاد نہ تھی جو ان کی وارث بنتی۔ بلاذری نے وضاحت کی ہے کہ حبشہ میں سب سے پہلے وفات پانے والے مہاجر حضرت عدی بن نضلہ عہد اسلامی کے پہلے مورث تھے۔ ان کے دو بیٹے نعمان اور امیہ ان کے وارث بنے۔ حضرت نعمان بن عدی کو خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق نے موجودہ ایران کی سرحد پر واقع عراقی صوبے میسان کا گورنر بنایا، پھر کچھ

عشقیہ اشعار کہنے پر معزول کر دیا اور کہا: اب تو کبھی بھی میرا عامل نہیں بنے گا (انساب الاشراف، بلاذری ۲۴۹/۱۔ جمہرة انساب العرب، ابن حزم ۱۵۷۔ المنتظم، ابن جوزی ۹۹۵)۔ ابن سعد نے حضرت عدی بن نضلہ کی تین اولادوں نعمان، نعیم اور آمنہ کا ذکر کیا اور صرف حضرت نعمان بن عدی کا وارث ہونا بتایا ہے (الطبقات الکبریٰ، رقم ۳۹۸)۔

## وفات

حضرت عروہ بن ابو اثاثہ حبشہ ہجرت کرنے کے بعد دار الہجرت ہی میں انتقال کر گئے۔ وفات کا وقت معلوم نہیں۔

## وفیات حبشہ

قیام حبشہ کے دوران میں سات صحابہ اور تین صحابیات نے انتقال کیا۔ سب سے پہلے حضرت عدی بن نضلہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ شاہ نجاشی نے خود ان کی تدفین میں حصہ لیا۔ دوسرے وفات پانے والے اصحاب حضرت حاطب بن حارث، حضرت حطاب بن حارث، حضرت عبد اللہ بن حارث، حضرت عروہ بن ابو اثاثہ (عبد العزیٰ)، حضرت عمرو بن امیہ اور حضرت مطلب بن ازہر ہیں۔ یہ کل سات ہوئے، جب کہ آٹھویں عبید اللہ بن جحش نصرانی ہو کر مرے۔ حبشہ میں وفات پانے والی تین صحابیات حضرت ام حرملہ بنت عبد الاسود اہلیہ حضرت جہم بن قیس، حضرت ریطہ بنت حارث زوجہ حضرت حارث بن خالد اور حضرت فاطمہ بنت صفوان زوجہ حضرت عمرو بن سعید ہیں۔

قیام حبشہ کے دوران میں حضرت حارث بن خالد کے ہاں چار بچے ہوئے: موسیٰ، عائشہ، زینب اور فاطمہ۔ ایک روایت کے مطابق چاروں حبشہ ہی میں انتقال کر گئے۔ اس طرح مرحومین حبشہ کی تعداد پندرہ مکمل ہو جاتی ہے۔ تاہم دوسری روایت کے مطابق موسیٰ، عائشہ اور زینب کا انتقال مدینہ واپسی کے سفر میں زہر آلود پانی پینے سے ہوا اور فاطمہ زندہ رہی۔

مسجد نجاشی کے عقب میں شارع صحابہ پر واقع احاطے میں پندرہ صحابہ کے مزارات اب بھی موجود ہیں۔ ان میں حضرت عدی بن نضلہ، حضرت حاطب بن حارث، حضرت حطاب بن حارث، حضرت عبد اللہ بن حارث، حضرت عروہ بن ابو اثاثہ، حضرت مطلب بن ازہر اور حضرت فاطمہ بنت صفوان کی قبروں کی شناخت ممکن ہے۔

ایتھوپیا کی خانہ جنگی میں مسجد اور مزارات کو شدید نقصان پہنچا تو ترکی کی فلاحی تنظیم TIKA نے مرمت اور تعمیر نو کا کام کیا۔

## روایت حدیث

ابتداے اسلام میں وفات پا جانے کی وجہ سے حضرت عروہ بن ابو اثاثہ سے کوئی روایت مروی نہیں۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، انساب الاشراف (بلاذری)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبد البر)، جمہرۃ انساب العرب (ابن حزم)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، تجرید اسماء الصحابۃ (ذہبی)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)۔

---

# محمیہ بن جزء رضی اللہ عنہ

## اجداد واکابرین

حضرت محمیہ بن جزء کے دادا کا نام عبد یغوث بن عویج تھا۔ زبید اصغر منبہ بن ربیعہ ان کے پانچویں جد اور زبید اکبر منبہ بن صعب نویں جد تھے۔ حضرت محمیہ کے بارھویں جد مالک بن اود کو مذحج بھی کہا جاتا ہے، اسی نام سے ان کا قبیلہ منسوب ہے۔ یشجب بن عریب ان کے چودھویں اور کہلان بن سبا سترھویں جد تھے۔ حضرت محمیہ اپنے اجداد، زبید اصغر اور زبید اکبر کی نسبت سے زبیدی کہلاتے ہیں۔

مالک بن اود کے پانچ بیٹے جلد مراد، عنس، سعد العشیرہ اور لمیس ہوئے۔ حضرت محمیہ سعد العشیرہ کی اولاد میں سے ہیں۔ انھیں سعد العشیرہ کا نام اس لیے دیا گیا کہ حج کے دنوں میں وہ اپنے دس بیٹوں کے ساتھ سفر کرتے اور کہتے: یہ میرا کنبہ ہے (ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب، ثعالبی، رقم ۱۴۶۔ المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۴/۱۵۶)۔ دوسری روایت کے مطابق ان کی اولاد میں سے تین سو گھڑ سوار ان کے شریک سفر ہوتے (جمہرۃ انساب العرب، ابن حزم ۴۰۵)۔ سعد العشیرہ کے مختلف بیویوں سے جنم لینے والے نو بیٹوں کے نام ہیں: حکم، صعب، نمرہ، جعفی، عائذ اللہ، اوس اللہ، زید اللہ، انس اللہ، حر (جمہرۃ انساب العرب، ابن حزم ۴۰۷)۔

دوسری روایت کے مطابق ان کے دس بیٹے ہوئے۔

صعب بن سعد العشیرہ کے دو بیٹے اود اور منبہ (زبید اکبر) ہوئے۔ منبہ کے چچاؤں اور چچیروں کی کثرت ہو گئی تو کہا: کون بنو اود کے خلاف بڑھ چڑھ کر میری مدد کرے گا؟ سب نے ہامی بھر لی تو زبید کے نام سے موسوم ہو گئے۔ منبہ بن صعب زبید اکبر اور منبہ بن ربیعہ زبید اصغر کہلانے لگے۔ منبہ بن صعب پر بنو مذحج (مالک بن اود) کی شاخ بنو زبید کی تکمیل ہو جاتی ہے (الطبقات الکبریٰ، رقم ۴۱۶)۔ زُبید زُبد کی تصغیر ہے، زُبد کے معنی ہیں: مکھن، کسی بھی شے کا عمدہ وافضل حصہ، عطا، خیر۔ بنو زبید کی شجاعت مشہور ہے (بأس زبید۔ الاغانی ۱۷/۱۲)۔

حضرت محمیہ بنو سہم کے حلیف تھے (ابن اسحٰق، ابن عبد البر، ابن حجر)۔ ابن کلبی انھیں بنو جمح کا حلیف بتاتے ہیں۔

## دیگر اقارب

حضرت محمیہ کی والدہ ہند یا خولہ بنت عوف حمیر سے تھیں۔ حضرت عباس بن عبد المطلب کی اہلیہ حضرت ام الفضل لبابہ بنت حارث حضرت محمیہ کی ماں شریک بہن تھیں۔ اصحاب اہل صفہ میں سے حضرت عبد اللہ بن حارث زبیدی ان کے بھتیجے تھے۔ حضرت عمرو بن معدی کرب بھی بنو زبید سے تعلق رکھتے تھے۔

## قبول اسلام

حضرت محمیہ بن جزء دعوت اسلام کے ابتدائی ایام میں مکہ میں ایمان لائے۔

## ہجرت حبشہ

۵ / نبوی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حبشہ نقل مکانی کرنے کا مشورہ دیا تو حضرت محمیہ اپنے حلیف قبیلے بنو سہم کے حضرت خنیس بن حذافہ، حضرت عبد اللہ بن حذافہ، حضرت ہشام بن العاص اور دیگر دس اہل ایمان کے ساتھ حبشہ کی ہجرت ثانیہ میں شریک ہوئے۔

## ہجرت مدینہ

حضرت محمیہ بن جزء کی مدینہ آمد کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن اسحٰق کا کہنا ہے کہ وہ ۷ھ میں حضرت جعفر بن ابو طالب اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری کے ساتھ کشتی پر سوار ہو کر مدینہ پہنچے۔ ابن ہشام نے

اسی کا تتبع کیا ہے۔ بلاذری اور ابن عبد البر کہتے ہیں کہ وہ ۶ھ میں مدینہ پہنچے جب جیش اسلامی غزوۂ مریسیع کے لیے روانہ ہو رہا تھا۔ ابن سعد آگے بڑھ کر بتاتے ہیں کہ اسی غزوہ میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خمس کا عامل بنایا۔

## غزوۂ بنو المصطلق یا غزوۂ مریسیع

بنو خزاعہ کی شاخ بنو المصطلق نے جنگ احد میں قریش کا ساتھ دیا تھا، اس کے بعد بھی وہ ریاست مدینہ کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ شعبان ۶ھ (ابن ہشام، طبری، ابن اثیر۔ شعبان ۵ھ: ابن سعد، ابن جوزی) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ ان کے سردار حارث بن ضرار نے اپنی قوم اور زیر اثر افراد کو ملا کر ایک فوج جمع کر لی ہے۔ چنانچہ آپ سات سو صحابہ اور تیس گھوڑے لے کر مقابلے کے لیے نکلے۔ اسی اثنا میں حضرت محمیہ بن جزء مدینہ پہنچے، انھیں بھی اپنے پہلے غزوہ میں شریک ہونے کا موقع ملا (انساب الاشراف، بلاذری ۱/۲۴۸۔ الاستیعاب، ابن عبد البر، رقم ۲۵۲۴)۔

قُدید کے قریب مریسیع کے ذخیرۂ آب (یا کنویں) پر دونوں فوجوں کا سامنا ہوا۔ ان کے دس افراد ہلاک ہو گئے تو وہ فرار ہونا شروع ہو گئے۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بھیڑیں مسلمانوں کو مال غنیمت کے طور پر ملے۔ لاتعداد مرد، عورتیں اور بچے بھی اسیر ان جنگ میں شامل تھے۔ اسی غزوہ کے بعد ام المومنین حضرت جویریہ بنت حارث، قید سے آزاد ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں اور اسی کے بعد افک سیدہ عائشہ کا واقعہ پیش آیا۔

ابن سعد کے بیان کے مطابق غزوۂ بنو المصطلق یا غزوۂ مریسیع ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمیہ بن جزء کو خمس کا عامل مقرر فرمایا (الطبقات الکبریٰ، ابن سعد ۱/۳۹۰)۔ آپ نے مال غنیمت سے خمس نکالا اور حضرت محمیہ کے پاس جمع کرا دیا۔ اسی میں سے آپ حسب منشا تصرف فرماتے رہے۔

## وکیل نبی

ذی القعدہ ۷ھ: حضرت میمونہ بنت حارث آخری ام المومنین تھیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس روایت کرتے ہیں: آپ نے حضرت محمیہ بن جزء اور دوسرے دو اصحاب کو نکاح کا پیغام دے کر مکہ بھیجا۔ حضرت میمونہ نے فیصلہ اپنی اور حضرت محمیہ کی بہن حضرت ام الفضل بنت حارث پر

چھوڑ دیا، انھوں نے معاملہ اپنے شوہر حضرت عباس بن عبد المطلب کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ حضرت عباس نے حضرت میمونہ کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا (سنن دار قطنی، رقم ۳۶۰۳)۔ ابن سعد کہتے ہیں: آپ نے مکہ روانہ ہونے سے پہلے حضرت اوس بن خولی انصاری اور حضرت ابو رافع کو پیام نکاح دے کر حضرت عباس کے پاس بھیجا (الطبقات الکبریٰ، رقم ۴۱۲۹)۔ ابن سعد نے وضاحت نہیں کی، شاید ان کی مراد آپ کے آزاد کردہ حضرت ابو رافع اسلم قبطی ہیں۔

## سریۂ ابو حدرد یا سریۂ خضرہ

شعبان ۸ھ: مدینہ سے سات میل دور وادیوں اور جنگلوں پر مشتمل غابہ کے مقام پر بنو قیس کی شاخ بنو جشم کے رفاعہ بن قیس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لیے فوج جمع کرنا شروع کی تو آپ نے حضرت ابو حدرد اسلمی کی قیادت میں تین (سولہ: طبری) اصحاب پر مشتمل سریہ روانہ کیا۔ حضرت ابو قتادہ بھی اس میں شامل تھے۔ غابہ پہنچ کر حضرت ابو حدرد اور ان کے ساتھی گھات لگا کر بیٹھ گئے اور جونہی رفاعہ سامنے آیا، حضرت ابو حدرد نے اس کا سینہ تیر سے چھلنی کر دیا، اس کے مرنے کے بعد اس کی قوم منتشر ہو گئی۔ حضرت ابو حدرد رفاعہ کا کٹا سر، مال غنیمت سے لدے ہوئے بارہ اونٹ اور چار قیدی عورتیں مدینہ لائے۔ ان میں سے ایک خوب صورت باندی حضرت ابو قتادہ کے حصے میں آئی۔ حضرت محمیہ بن جزء نے اسے حاصل کرنے کے لیے آپ سے درخواست کی اور کہا: آپ نے پہلے مال فے میں سے مجھے باندی دینے کا وعدہ کیا تھا۔ آپ نے حضرت ابو قتادہ سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ میں نے اپنے حصے کا مال غنیمت دے کر اسے خریدا ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ مجھے ہبہ کر دو۔ آپ کو مل گئی تو آپ نے حضرت محمیہ کو ہبہ کر دی (تاریخ الامم والملوک، طبری ۲/ ۱۴۸)۔

ابن سعد کا اس سریہ کے بارے میں بیان مختلف ہے، جسے ابن جوزی نے بھی اختیار کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو قتادہ بن ربعی کی سربراہی میں پندرہ اصحاب پر مشتمل ایک سریہ مدینہ کے جنوب میں واقع وادی خضرہ بھیجا، جہاں بنو غطفان آمادہ بہ جنگ تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ رات کو سفر کرو اور دن کو چھپے رہو۔ قتال کے بعد دو سو اونٹ، دو ہزار بکریاں اور بے شمار قیدی ان کے ہاتھ آئے۔ خمس نکالنے کے بعد ہر صحابی کے حصہ میں بارہ اونٹ آئے، حضرت ابو قتادہ کو ایک خوب صورت باندی ملی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی اور حضرت محمیہ بن جزء کو ہبہ کر دی (الطبقات الکبریٰ، ابن سعد ۱/ ۴۳۹۔ کتاب المغازی، واقدی ۲/ ۷۸۰۔ المنتظم، ابن جوزی ۸۳۶)۔

## صدقات اور آل محمد

حضرت ربیعہ بن حارث اور حضرت عباس بن عبد المطلب نے اپنے بیٹوں حضرت عبد المطلب اور حضرت فضل سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان سے درخواست کرو کہ انھیں زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے کا عامل مقرر فرما دیں تاکہ وہی ذمہ داری ادا کریں جو عاملین زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی معاوضہ لیں جو وہ لیتے ہیں۔ اس اثنا میں حضرت علی آ گئے اور انھوں نے منع کیا کہ انھیں نہ بھیجو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز نہ مانیں گے۔ حضرت ربیعہ بن حارث ناراض ہو کر بولے: علی، آپ حسد کی وجہ سے ایسا کہہ رہے ہیں۔ آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا شرف حاصل ہے، لیکن ہم آپ سے حسد نہیں کرتے۔ حضرت علی نے تکرار نہ کی اور کہا: بھیج دو ان دونوں کو، اور خود لیٹ کر ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز پڑھا کر ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کے حجرے کی طرف جانے لگے تو یہ دونوں پہلے ہی وہاں پہنچ گئے۔ آپ نے ان کے کان مروڑ کر فرمایا: ظاہر کر دو جو تم نے دل میں جمع کر رکھا ہے۔ دونوں حجرے میں داخل ہوئے اور ایک بولا: یا رسول اللہ، آپ سب سے زیادہ حسن سلوک اور صلۂ رحمی کرنے والے ہیں، ہماری شادی کی عمر ہو رہی ہے اور ہمارے والدین کے پاس مہر میں دینے کے لیے کچھ نہیں۔ ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ ہمیں زکوٰۃ کی کوئی مد وصول کرنے کا عامل مقرر فرما دیں تاکہ ہم وہی ذمہ داری ادا کریں جو لوگ ادا کرتے ہیں اور وہی معاوضہ لیں جو دوسرے لیتے ہیں۔ آپ نے طویل سکوت کیا، پھر فرمایا: محمد اور آل محمد کو صدقہ نہ لینا چاہیے، یہ لوگوں کی میل کچیل ہوتے ہیں۔ خمس کے عامل محمیہ بن جزء اور نوفل بن حارث کو بلاؤ۔ وہ حاضر ہوئے تو آپ نے حضرت محمیہ کو ارشاد کیا کہ اس لڑکے فضل بن عباس سے اپنی بیٹی بیاہ دو۔ پھر حضرت نوفل بن حارث سے فرمایا: اپنی بیٹی کا نکاح اس لڑکے عبد المطلب بن ربیعہ سے کر دو۔ آخر میں حضرت محمیہ کو حکم دیا: خمس میں سے ان دونوں کی بیویوں کے مہر ادا کر دو (مسلم، رقم ۲۴۸۱۔ ابو داؤد، رقم ۲۹۸۴۔ احمد: المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۴۵۲۶۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۳۲۳۹۔ صحیح ابن حبان، رقم ۴۵۲۶۔ صحیح ابن خزیمہ، رقم ۲۳۴۲)۔

## عہد فاروقی

رجب ۱۳ھ: حضرت ابو بکر کی وفات کے بعد حضرت شداد بن اوس، حضرت محمیہ بن جزء اور خلیفۂ ثانی

حضرت عمر کے غلام یرفا حضرت ابو بکر کی وفات، حضرت عمر کے خلیفہ بننے کی خبر پہنچانے اور حضرت خالد بن ولید کی معزولی کا حکم سنانے شام پہنچے۔ ابن ہشام نے یرفا کا نام نہیں لیا۔ اسلامی فوج اس وقت یاقوصہ (یرموک: ابن ہشام) میں رومیوں کے ساتھ بر سر پیکار تھی، اس لیے انھوں نے فتح حاصل ہونے کا انتظار کیا اور اس کے بعد خلیفۂ ثانی کے انتخاب کی خبر، حضرت خالد کی معزولی اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی تعیناتی کے بارے میں ان کا حکم سنایا۔

## وفات

شاذ روایت کے مطابق حضرت محمیہ بن جزء نے فتح مصر میں حصہ لیا، وہیں قیام پذیر ہوئے اور وہیں وفات پائی۔

## اولاد

حضرت محمیہ بن جزء کی ایک بیٹی حضرت عمرو بن العاص کے بیٹے عبد اللہ سے بیاہی ہوئی تھی، اسی سے ان کا بیٹا محمد پیدا ہوا، جس سے وہ ابو محمد کنیت کرتے تھے۔ دوسری بیٹی کا نکاح آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت عباس بن عبد المطلب کے بیٹے حضرت فضل بن عباس سے کرایا اور ان سے کلثوم کی ولادت ہوئی۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن اسحٰق)، السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، انساب الاشراف (بلاذری)، تاریخ الامم والملوک (طبری)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبد البر)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خورشید احمد ندیم

# نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت

کچھ وہ بھی تھے جنھیں اپنی اس حیثیت کا پاس تھا کہ وہ اللہ کے آخری رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں۔ وہ رسول جن کی چادر رحمت نے عالمین کو ڈھانپ رکھا ہے۔ وہ آگے بڑھے اور انھوں نے مسیحیوں کی حفاظت کی۔ ان کے لیے اپنے دروازے کھولے۔ جاے نماز لے کر ان کے دروازوں پر کھڑے ہو گئے۔ انھیں بلوائیوں سے بچایا اور ساتھ ہی اپنے دین اور اپنے ایمان کو بھی بچایا۔

اللہ کے رسول کے ساتھ ہمارا تعلق کیا ہے؟ اگر وہ رحمۃ للعالمین ہیں تو ان کی امت ہونے کے ناتے، عالمین کے لیے ہمارا وجود کس بات کی علامت ہونا چاہیے؟ رسول کے ساتھ ہماری یہ نسبت ہم سے کس کردار کا تقاضا کرتی ہے؟ پرانی امتوں نے اگر اس تقاضے کو نظر انداز کیا تو عالم کے پروردگار نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ زمین پر پھیلی ہوئی تاریخ کس بات کی خبر دے رہی ہے؟ قرآن مجید نے ہمیں اس بارے میں کیا رہنمائی دی ہے؟

ہم جس پیغمبر کی امت ہیں، وہ اللہ کے آخری نبی اور رسول تھے۔ آپ کے بعد اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا؛ نہ ظلی نہ بروزی۔ یہ بات قرآن مجید نے بتائی اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی امت بھی آخری امت ہے۔ قرآن مجید نے بتایا کہ اللہ کے رسول نے صحابہ کے لیے شہادت حق کی ذمہ داری ادا کی، جو امت کا پہلا مصداق تھے۔ پھر انھیں یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ دوسروں پر (علی الناس) شہادت دیں۔ صحابہ نے یہ ذمہ داری نبھائی۔ اِس دور میں اب یہ ہماری ذمہ داری ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں۔

شہادت حق کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تک پہنچایا، وہ ہم دوسروں تک پہنچائیں۔ جو عالم ہے، وہ دنیا کے سامنے اس کی شرح و وضاحت کرے۔ لوگوں کے اٹھائے اشکالات اور

اعتراضات کا جواب دے۔ ان تک دین کی دعوت پہنچائے۔ جو حکمران ہے، وہ اپنے طرز عمل سے بتائے کہ حکومت و ریاست کے باب میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کیا ہیں۔ جو ماں یا باپ ہے، وہ اپنے رویے سے ان تعلیمات کا مظہر ہو جو والدین کے لیے دیے گئے۔ جو عام شہری ہے، وہ اپنے وجود کو اس طرح حق کا گواہ بنائے کہ انفرادی افعال میں دین کا نمایندہ بن جائے۔

جڑانوالہ میں جو کچھ ہوا، ہمیں دیکھنا ہے کہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق، کیا ہم نے اپنا کردار ادا کیا؟ حکومت و ریاست نے کیا اس بات کا اہتمام کیا تھا کہ ایک مذہبی اقلیت کے ساتھ اس وعدے کو نبھایا جائے جو آئین میں ان کے ساتھ کیا گیا؟ کیا ان کے جان و مال کو وہ تحفظ ملا، جس کی فراہمی کے لیے ریاست جواب دہ تھی؟ اڑوس پڑوس میں رہنے والوں نے کیا وہ ذمہ داری ادا کی جو ہمسایوں کے حوالے سے دین ان پر عائد کرتا ہے؟ شہریوں نے ایک ملزم کو، کیا قانون کے حوالے کیا یا انھیں خود ہی مجرم قرار دے کر، ان کے ہم مذہبوں کو بھی سزا دے ڈالی، جن پر الزام بھی نہیں تھا؟

جڑانوالہ میں یہ نہیں ہوا کہ ان لوگوں کو ہجوم نے سزا دے دی جن پر توہین مذہب کا الزام تھا، جیسے سیالکوٹ میں ہوا۔ یہاں تو ان کے گھر جلے، جن کا اس واقعے سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ وہ عبادت گاہیں خاکستر ہوئیں جن کا اس واقعے میں کوئی قصور نہ تھا۔ یہی نہیں، پورے ملک اور قوم کو دنیا کے سامنے کٹہرے میں لا کھڑا کیا گیا، جنھیں اس واقعے کی کوئی خبر نہ تھی۔

اس واقعے میں سچ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی ذمہ داری صحیح طور پر ادا کی تو وہ مقامی لوگ تھے جو ان مسیحیوں کے سامنے ڈھال بن گئے اور انھوں نے انھیں فسادیوں سے بچایا۔ اُن کے علاوہ ہم سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے تعلق کو اس طرح نہیں نبھایا، جس طرح کہ اس کا حق تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہود سے جو معاہدے کیے، آخری درجے میں ان کی پاس داری کی۔ مکہ کے مشرکین سے جو عہد کیا، اسے نبھایا۔ آپ نے اپنے ماننے والوں کو متوجہ کیا کہ جس کا کوئی عہد نہیں، اس کا کوئی ایمان نہیں۔ صلح حدیبیہ کے واقعے میں ہم جانتے ہیں کہ کیسے آپ نے دل پر پتھر رکھا، مگر عہد پورا کیا۔

ہمیں اب اس نقصان کی تلافی کرنی ہے۔ ہم سے مراد تمام ریاستی اور سماجی طبقات ہیں۔ ریاست کو جرم کی نسبت سے مجرموں کو سزا دینی چاہیے۔ اس کے ساتھ یہ اہتمام بھی کرنا چاہیے کہ مستقبل میں کوئی فساد فی الارض کے بارے میں سوچ نہ سکے۔ یہ دین کا حکم ہے جو قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ فساد کی سزا تقتیل ہے جو قتل سے بھی شدید تر ہے۔ علما کو اپنی ذمہ داری ادا کرنی ہے۔ وہ مسند ارشاد و دعوت سے مسلم عوام کو یہ بتائیں کہ

اڑوس پڑوس میں بسنے والے غیر مسلم ہم وطنوں کے ساتھ ان کا سلوک کیا ہونا چاہیے۔

میڈیا کا کام یہ ہے کہ وہ اس معاملے میں سماج کو حساس بنائے اور ان انتہا پسندانہ رجحانات اور رویوں کے خلاف مہم چلائے جو اس طرح کے حادثات کو جنم دیتے ہیں۔ سول سوسائٹی کی ذمہ داری ہے کہ وہ سماجی اخلاقیات کی اصلاح کو اپنا مشن بنائے اور اخلاق نبوی کی روشنی میں اس کی تشکیل نو کرے۔ اہل علم کا کام ہے کہ وہ تحقیق سے اسوۂ حسنہ کے وہ واقعات لوگوں کے سامنے لائیں جو آپ کی رحمت کے پہلو کو نمایاں کرتے ہیں اور جو سب کو محیط ہے۔

ختم نبوت کا عقیدہ اس امت پر ایک بھاری ذمہ داری ڈالتا ہے۔ ہم نے لوگوں پر یہ ثابت کرنا ہے کہ اسلام دین حق ہے۔ یہ خدا کا آخری پیغام ہے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ہم تک پہنچا۔ اس ہدایت میں انسانوں کے تمام مسائل کا حل ہے۔ اس کے لیے جہاں ہمیں نبوی اخلاق کو اپناتے ہوئے دنیا کے سامنے اخلاق کے اعلیٰ نمونے قائم کرنے ہیں، وہاں غیر مسلموں تک دین کی دعوت بھی پہنچانی ہے تاکہ وہ بھی خبر دار رہیں کہ انھیں اللہ کے حضور میں پیش ہونا اور اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہونا ہے۔ ہمیں ان کا خیر خواہ بننا ہے، جس طرح اللہ کے رسول پوری انسانیت کے خیر خواہ تھے اور اسے دائمی خسارے سے بچانا چاہتے تھے۔

جڑانوالہ واقعے سے سبق سیکھتے ہوئے ہم سب کو اپنے بارے میں سوچنا ہے۔ ہم یہ عہد کریں کہ ہمارا وجود اقلیتوں کے لیے خوف کے بجاے امن کی علامت ہو۔ انھیں اس پر یقین ہو کہ ایک مسلمان سے ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔ جس دن ہم اپنے طرز عمل سے یہ پیغام دینے میں کامیاب رہے، مجھے امید ہے کہ زبانی تبلیغ کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

ہمیں خود پر ایک احساس کو غالب کرنا ہے؛ ہم اس رسول کی امت ہیں جو عالمین کے لیے رحمت بنائے گئے ہیں۔ ہمیں دنیا کو اس کا عملی ثبوت دینا ہے۔ اس کے لیے ہمیں دوسروں کے لیے سراپا رحمت بننا ہے۔ یاد رکھیں کہ برصغیر تک اسلام پہنچانے کا سہرا جس شخصیت کے سر ہے، اس کا تعلق ان طائف والوں کی نسل سے تھا جن کے مظالم کے باجود اللہ کے رسول نے ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ کیا اور ان کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی جو قبول ہوئی۔ محمد بن قاسم طائف کے ایک قبیلے بنو ثقیف سے تھے۔ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت نے اسی طرح دنیا کو اپنے حصار میں لیا۔

(بشکریہ: روزنامہ دنیا، لاہور، ۲۲/ اگست ۲۰۲۳ء)

ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی

# پروفیسر حکیم الطاف احمد اعظمی

## مدرسۂ فراہی کا ایک عبقری دانش ور

۱۳/ اگست ۲۰۲۳ء بروز اتوار کو پروفیسر الطاف احمد اعظمی بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی کی وفات پر فیس بک پر ایک پوسٹ راقم نے لکھ دی تھی، لیکن احباب کا تقاضا ہوا کہ ایک مکمل مضمون ان پر لکھا جائے۔

اے روشنیِ طبع تو بر من بلا شدی

یادش بخیر الطاف احمد اعظمی صاحب کا نام پہلی بار اُس وقت سنا جب راقم جامعۃ الفلاح میں فضیلت دوم کا طالب علم تھا۔ مدرسۃ الاصلاح میں علامہ فراہی پر ۱۹۹۱ء میں ایک کل ہند سیمینار ہوا تھا، جس میں راقم اپنی ناسازی طبع کی بنا پر شریک نہیں ہو پایا تھا، البتہ سیمینار میں شریک علما و دانش وروں میں سے دو نام طلبہ کے مابین بحث و گفتگو کا موضوع بنے: ان میں ایک مولانا سلطان احمد اصلاحی تھے اور دوسرے الطاف احمد اعظمی۔ صد حیف کہ اب دونوں ہی رحلت کر گئے ہیں۔

مؤخر الذکر کے خیالات پر استاد محترم مولانا عنایت اللہ سبحانی نے کلاس میں یہ ریمارک کیا کہ "علامہ فراہی کی طرف انھوں نے بعض وہ خیالات منسوب کر دیے ہیں جو ان کی عبارتوں سے نہیں نکلتے"۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ۱۹۹۹ء میں "اصلاح" ہی پر مولانا امین احسن اصلاحی پر سیمینار ہوا، جس میں راقم بطور مقالہ نگار کے شریک ہوا، اسی سیمینار میں شرکت کے لیے پاکستان سے مولانا اصلاحی کے تلمیذ رشید جناب خالد مسعود صاحب کا ورود مسعود ہوا تھا اور راقم کو ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اس سیمینار میں دونوں بزرگوں مولانا سبحانی

اور الطاف احمد اعظمی کے مابین تلخ علمی نوک جھونک کا مشاہدہ ہوا۔ بہر حال اس کے بعد راقم مزید تعلیم اور غم روزگار میں ایسا الجھا رہا کہ دہلی میں رہتے ہوئے بھی الطاف اعظمی صاحب سے ملاقات کا خیال بہت دنوں تک نہیں آیا، جو مدت سے دہلی میں ہی رہتے تھے۔ دہلی میں جامعہ اسلامیہ سنابل (جہاں سے راقم نے عالمیت کی ہے) نے علما کی ایک کل ہندورکشاپ جامعہ محمد سعود الاسلامیہ سعودی عرب کے تعاون سے منعقد کی تو اس کی افتتاحی تقریب میں دوسرے اہم علما کے ساتھ ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی نے بھی خطاب کیا تھا کہ اس وقت وہ جامعہ کے بانی مولانا عبد الحمید رحمانی مرحوم کے قریب تھے۔ اب خطاب کے مندرجات تو یاد نہیں، البتہ عقیدہ کے تحت انھوں نے تمام علما کے سامنے تصوف کے نظریاتی پہلوؤں پر شدید تنقید کی تھی۔ کچھ عرصہ بعد اسی جامعہ کے آرگن ''التوعیہ'' میں ڈاکٹر اعظمی کے کئی تفسیری مقالات شائع ہوئے اور بعض مقالات پر سلفی علما کے استدراک بھی آئے تو ان سے دید و شنید کی تقریب پیدا ہوئی۔

حکیم الطاف احمد اعظمی شمالی ہند کے مشہور ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں بھاٹن پارہ میں ۲/ جولائی ۱۹۴۲ء کو پیدا ہوئے۔ قریب کے گاؤں سکرور میں درجۂ سوم تک پڑھنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے ۱۹۵۵ء میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں داخل کیے گئے، جہاں انھوں نے ۱۹۶۲ء تک پڑھا۔[1] پرائمری، ثانوی اور تین سال عربی، یعنی سات سال مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد عربی سوم کے بعد مدرسی تعلیم بیچ میں ہی چھوڑ کر وہ عصری تعلیم کی طرف چلے گئے۔ یہ تو نہیں معلوم ہو سکا کہ کس وجہ سے دینی روایتی تعلیم ادھوری چھوڑی، لیکن بعد میں ان کی یہ رائے سامنے آئی کہ ''مدارس کا نصاب جس میں مدرسۃ الاصلاح بھی شامل ہے غیر قرآنی ہے''۔ بہر حال پرائیویٹ امتحانات دے کر لکھنؤ کے اسٹیٹ تکمیل الطب کالج میں ایک سال پڑھا۔ وہاں کے روایتی طرز تعلیم سے اکتا کر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں داخلہ لیا، جہاں سے ۱۹۶۹ء میں بی یو ایم ایس کیا۔ علی گڑھ میں انھوں نے بہت متحرک زندگی گزاری، اسٹوڈنٹس پالیٹکس میں حصہ لیا، یہاں تک کہ اسٹوڈینٹس یونین کے صدر بھی رہے۔

واضح رہے کہ علی گڑھ کی اسٹوڈنٹس سیاست مسلمانان ہند کی زندگی میں بڑا اہم رول ادا کرتی رہی ہے۔ ماضی میں یہیں کی سیاست سے نکل کر بہت سے مسلمان لیڈر وجود میں آئے۔ آج بھی ہند کی مسلم سیاسی وملی

---

[1] ملاحظہ ہو: حکیم نازش احتشام احمد اعظمی اصلاحی کی کتاب ''ابنائے مدرسۃ الاصلاح کی علمی وادبی خدمات''، شائع کردہ: اصلاحی ہیلتھ کیئر فاؤنڈیشن، نئی دہلی۔

لیڈر شپ میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ تاہم علی گڑھ میں جس جذباتیت کا دور دورہ تھا اور آج بھی ہے، نوجوان الطاف احمد جو سرسید کی تحریریں پڑھنے کی وجہ سے ایک خالص عقلی اور ریشنل مائنڈ سیٹ کے آدمی بن گئے تھے وہ اس جذباتی ملی سیاست میں کھپ نہ سکتے تھے۔ وہ بہت جلدی یہاں کی سیاست سے توبہ کر کے واپس وطن آ گئے۔ اور وطن کے قریب جونپور میں مطب کرنے لگے۔ یہاں ۱۹۸۴ء تک مطب کرتے رہے۔ واضح رہے کہ یہ وہی جونپور ہے جس کو شرقی سلاطین کے زمانہ میں شیراز ہند کہا جاتا تھا۔

انھوں نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ جونپور میں مطب کے زمانہ میں وہ موجودہ فکر اسلامی سے سخت بے زار ہو گئے تھے۔ علما کی تحریریں عقلی طور پر ان کو مطمئن نہیں کرتی تھیں۔ کچھ دنوں الحاد بھی ان پر طاری رہا اور روزہ نماز بھی چھوٹ گیا۔ پھر انھوں نے طے کیا کہ خود سے دین کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ بنیادی عربی آتی تھی، اس کو مزید بڑھایا اور پانچ سال راتوں کو جاگ کر انھوں نے عربی زبان پڑھی اور دینی علوم خاص کر قرآن کا خود مطالعہ کیا۔ قرآن کا مطالعہ بقول ان کے بغیر کسی تفسیر کے کیا۔ اس کے بعد اپنی پہلی کتاب ''وجود خدا کا اثبات قرآن و سائنس کی روشنی میں''، لکھی۔[۲]

اس کے بعد جامعہ ہمدرد کے بلند نگاہ بانی حکیم عبد الحمید نے الطاف احمد اعظمی کو دہلی بلایا۔ حکیم صاحب کو طب میں ان کی تحقیقی صلاحیتوں کا اندازہ تھا۔ چنانچہ ان کی تحریک پر انھوں نے Indian Institute of History on Medicine and medical Research کو بطور سینئر محقق کے جوائن کیا، جو بعد میں جامعہ ہمدرد میں تبدیل ہوا اور وہ ۲۰۰۴ء میں یہیں سے ریٹائر ہوئے۔ سروس کے دوران ہی انھوں نے جامعہ ہمدرد سے 'یونانی میڈیسن میں' پی ایچ ڈی بھی کی۔ یہاں وہ تدریس کے علاوہ شعبۂ تاریخ طب و سائنس کے صدر بھی رہے۔ قرآن مجید اور تاریخ طب یہ دونوں ان کی دل چسپی کے میدان تھے۔ جامعہ ہمدرد سے ریٹائر ہونے کے بعد وہ ۲۰۰۵ء میں کالی کٹ یونیورسٹی میں اسلامک اسٹڈیز کے وزٹنگ پروفیسر بھی رہے۔[۳]

بعد ازاں کچھ عرصہ کے لیے دہلی اردو اکیڈمی کے چیئرمین بھی بنائے گئے، جو ایک سرکاری منصب ہے۔

---

۲۔ ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی نے یہ خیالات ایک انٹرویو میں ظاہر کیے، جو مدرستہ الاصلاح کے استاد مولانا عمر اسلم اصلاحی نے اصلاح ٹی وی کی جانب سے ۱۳/ جنوری ۲۰۱۸ء کو ان سے لیا تھا۔ لنک یہ ہے:

https://www.youtube.com/watch?v=3qacJerUSbs

۳۔ اردو بک ریویو ص ۱۱۔ جولائی/ اگست/ ستمبر ۲۰۱۰ء اور انٹرویو مذکور۔

یاد رہے کہ الطاف احمد اعظمی اردو کے باذوق شاعر بھی تھے۔اور ان کا دیوان بھی شائع ہوا، جس کا نام ہے: ''فغان نیم شب''۔ ایک ملاقات میں انھوں نے اپنا دیوان اور ایک مجموعۂ مقالات راقم کو دیا تھا اور اس پر اپنے ہاتھ سے لکھا تھا: محب گرامی ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی کے لیے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کا دوسرا مجموعۂ کلام 'چراغ شب گزیدہ' کے نام سے دہلی سے شائع ہوا۔ ان کے ادبی مقالات کا مجموعہ ''سخن ہائے گفتنی'' کے نام سے شائع ہوا، جس میں شبلی، اقبال، اکبر الہ آبادی پر مختلف و متنوع پہلوؤں سے گفتگو کی ہے۔ اس کے علاوہ ایک مقالہ ''اردو شاعری پر ایک اجمالی نظر ادبی تحریکات کے حوالہ سے'' لکھا ہے۔[4]

علم کی دنیا میں الطاف احمد اعظمی پوری طرح سیلف میڈ آدمی تھے۔ مزاج میں تیزی اور طبیعت میں جدت تھی۔ ذہن تحقیق کا جویا۔ روایتی نقطۂ نظر سے وہ چاہے اسلامیات میں ہو یا طب کی دنیا میں ان کی نبھ نہیں پاتی تھی، اس لیے روایتی اطبا سے بھی ان کی ٹھنی رہتی اور روایتی علما سے بھی، حالاں کہ اعلیٰ درجہ کے نباض تھے۔ سوچنا اور سوال اٹھانا فطرت میں شامل تھا اور بے لاگ انداز میں جو سمجھتے تھے، اس کا اظہار کر دیتے۔ اور غالباً یہی چیز ہے جس کی وجہ سے ان میں علمی تواضع وانکساری کم اور حد درجہ خود اعتمادی و بے پناہ جرأت اظہار پائی جاتی تھی۔ بعض لوگ شاید اس کو ادعا و تعلی کی سی کیفیت سے تعبیر کریں:

کہتا ہوں وہی چیز سمجھتا ہوں جسے حق
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

الطاف احمد اعظمی صاحب کا ایک اہم کارنامہ ان کی تفسیر ''میزان القرآن'' ہے، جو تین جلدوں میں مع مقدمۂ تفسیر کے مکتبہ الحسنات دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ وہ موجودہ دور کی اہم تفاسیر میں شمار کی جانی چاہیے۔ اس میں مفسر نے متن قرآن، ترجمہ اور پھر حواشی دے کر تفسیری نوٹ لکھے ہیں۔ انھوں نے لغت عربی اور نظم قرآن کی رعایت کی ہے۔ وہ سابقہ مفسرین کی رایوں کی پابندی نہیں کرتے، حتیٰ کہ مکتب فراہی کے علما سے بھی خوب اختلاف کرتے ہیں، مثال کے طور پر سورۂ فیل کی تفسیر میں انھوں نے علامہ فراہی سے بالکل ہٹ کر تفسیر کی ہے۔[5] وہ کہتے ہیں کہ مولانا فراہی کی تفسیر نئی ہے اور اس لحاظ سے قابل تحسین ہے، مگر وہ قرآنی نظائر کے بالکل خلاف ہے۔ (دیکھیے: میزان القرآن، تیسری جلد، سورۂ فیل کی تفسیر۔ ان کی راے میں ابرہہ کے لشکر کی ہلاکت

[4] ملاحظہ ہو: حکیم نازش احتشام احمد اعظمی اصلاحی کی کتاب ''ابنائے مدرسۃ الاصلاح کی علمی وادبی خدمات''۔

[5] میزان القرآن، جلد سوم، تفسیر سورۂ فیل، ص ۱۰۱۳، شائع کردہ: مرکز تحقیق واشاعت قرآنی، نئی دہلی۔

کا سبب چیچک تھی۔ اسی کو 'طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ابابیل سنگریزے نہیں پھینک رہے تھے)۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اختلاف کی گنجایش کو تسلیم کرتے ہوئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ جہاں بھی انھوں نے دوسرے مترجموں اور مفسروں سے اختلاف کیا ہے، وہاں اکثر جگہوں پر ان کی رائے دل کو لگتی اور اپیل کرتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ تفسیر بڑی عام فہم ہے۔

ڈاکٹر اعظمی کہتے تھے کہ ''قرآن مجید متن بھی ہے اور شرح بھی۔ علما نے قرآن کو جو مجمل قرار دیا جسے حدیث کھولتی ہے وہ بالکل غلط ہے۔''

ایک انٹرویو میں انھوں نے بتایا کہ ''میں شاہ ولی اللہ محقق سے متاثر ہوا، شاہ ولی اللہ صوفی سے نہیں۔ اس کے بعد سر سید اور مولانا فراہی سے۔ سر سید بر صغیر کے سب سے بڑے مفسر قرآن ہیں۔ اردو میں ان کی تفسیر سے بڑھ کر کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔ اگر سر سید نہ ہوتے تو مولانا فراہی بھی نہ ہوتے، مولانا آزاد بھی نہ ہوتے۔''[6]

قرآن کے ترجمہ کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ ''مولانا مودودی کی تفسیر میں انشاپردازی ہے، بڑی معلومات ہیں، لیکن ترجمہ آزاد کیا ہے اور اس وجہ سے بے شمار غلطیاں کی ہیں اگر ان کی غلطیوں کو جمع کیا جائے تو کئی جلدیں بن جائیں''۔[7] (یاد رہے کہ والد ماجد علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی کی تفسیر ''مفتاح القرآن'' میں جگہ جگہ مولانا مودودی کی تفسیری غلطیوں پر گرفت کی گئی ہے، کیونکہ وہ بر صغیر میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی تفسیر ہے)۔

ڈاکٹر اعظمی مدرسۂ فراہی کی ترجمان اہم تفسیر ''تدبر قرآن'' کے بارے میں بھی الگ ہی خیال رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ''دوسری تفاسیر کے مقابلہ میں بہت بلند اور منفرد ہے، لیکن خود مولانا فراہی کے اصولوں کی روشنی میں کم زور ہے۔ مولانا اصلاحی ابتدائی دو جلدوں میں تو اپنے استاد کے اصولوں کو برت سکے، اس کے بعد وہ اس معیار کو برقرار نہ رکھ سکے۔ ہاں اس میں اطناب اور انشاپردازی بہت ہے۔ اسی طرح ''تدبر'' کا ترجمہ بھی بہت رواں اور اچھا نہیں ہے۔ مفردات کی تحقیق اچھی کی ہے، لیکن بہت سے موضوعات پر تحقیق نہیں ہے۔[8] مولانا فراہی کا اصل کارنامہ تاصیل (اصول سازی) ہے۔ اب اس پر مزید بہت کام کرنے کی ضرورت ہے۔

---

٦ انٹرویو مذکور۔

٧ ایضاً۔

٨ جادہ و منزل ۱۹۹، البلاغ پبلیکیشنز، نئی دہلی۔

تفسیر کے علاوہ بھی اعظمی صاحب کی بہت سی کتابیں ہیں، جو ان کی بصیرت و نکتہ رسی اور ناقدانہ صلاحیتوں کی گواہی دیتی ہیں، جن میں ایک اہم کتاب ''احیاء ملت اور دینی جماعتیں'' ہے، بلکہ یہی کتاب ہے جو راقم نے سب سے پہلے پڑھی اور پھر ان کا نیاز مند ہو گیا۔ اور جب تک وہ دہلی میں رہا، گاہے بگاہے ان کے ہاں حاضری ہوتی رہی۔ اس کتاب میں اعظمی صاحب نے مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور علماے دیوبند و جمعیۃ علماے ہند، نیز تبلیغی جماعت، ان سب کی فکر اور علمی و عملی کاموں کا گہرائی کے ساتھ قرآن کی روشنی میں ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی فکر پر ان کی تنقید مولانا وحید الدین خاں کے نقد سے ملتی جلتی، بلکہ مستعار ہے (اگرچہ اس کا حوالہ کہیں نہیں دیا ہے)، لیکن امام الہند مولانا آزاد اور جمعیۃ علما پر ان کی تنقید جرأت رندانہ سے کم نہیں۔ اس کتاب میں وہ بجا طور پر ایک بت شکن کے طور پر سامنے آتے ہیں، لیکن کسی اچھے ادارے سے شائع نہ ہو سکنے کی بنا پر یہ کتاب اس توجہ اور بحث و مباحثہ کا موضوع نہ بن سکی جو اس کا حق تھا۔

تیسری اہم کتاب ''خطبات اقبال ایک مطالعہ'' ہے، جس میں انھوں نے قرآن کی روشنی میں اقبال کے افکار و خیالات کا ناقدانہ مطالعہ کیا ہے۔ یہی نہیں، بلکہ ان کی بیش تر تنقیدیں قرآن کی روشنی میں ہی ہوتی تھیں۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے عرض کیا، قرآن کی روشنی میں ہی انھوں نے برصغیر کی بڑی شخصیات آزاد، اقبال اور مودودی کا مطالعہ کیا۔ آزاد کا تو کوئی مکتب فکر نہیں، مگر اقبال کے مریدان باصفا نے ان کی تنقیدوں کا برا منایا۔ جب ان کی ''خطبات اقبال'' چھپی تو اقبال اکیڈمی اسلام آباد پاکستان کے رکن جناب خرم علی شفیق صاحب نے کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کو یوں کہتے ہوئے مسترد کر دیا کہ ''اقبال کو پڑھنے اور نقد کرنے کے لیے فلسفہ جاننا بے حد ضروری ہے اور اعظمی صاحب فلسفہ سے واقف نہیں، لہٰذا ان کی تنقید القط''۔ راقم نے ''اقبال ریویو'' میں یہ تبصرہ پڑھ کر اس کی فوٹو کاپی لی اور اس کو لے کر اعظمی صاحب کے پاس حاضر ہوا۔ انھوں نے غالباً اس کا جواب لکھا ہو گا، مگر راقم کو اس بارے میں معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہیں چھپا یا نہیں۔

پروفیسر الطاف احمد اعظمی کی چوتھی اہم کتاب ''تفہیم سرسید'' ہے۔ اس میں انھوں نے علما کے اس رویہ پر تنقید کی ہے کہ انھوں نے سرسید کو بالکل ہی مسترد کر دیا، حالاں کہ سرسید کی تفسیر اور دوسری نگارشات میں بہت کچھ روشنی موجود ہے جس سے استفادہ کیا جانا چاہیے۔ انھوں نے مدلل انداز میں علما کے سرسید پر تمام اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ اعظمی صاحب نے اس کتاب میں سرسید کی کمزوریوں اور غلطیوں کا بھی جائزہ لیا ہے، ساتھ ہی ان کے اجتہادات اور تجدیدی رایوں کا بھی تذکرہ کیا اور ان کو سراہا ہے۔ یہ کتاب سرسید اکیڈمی

سے چھپی ہے اور مطالعات سرسیدی میں بہت کچھ اضافہ کرتی ہے۔اس کتاب سے اور ان کی دوسری تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ الطاف صاحب سرسید کے تو بہت قائل ہیں، مگر مولانا آزاد کے شدید ناقد۔

جادہ و منزل: یہ کتاب اعظمی صاحب کے علمی مقالات کا مجموعہ ہے، جو مختلف اوقات میں لکھے گئے کچھ شخصیات پر ہیں اور کچھ موضوعاتی قسم کے ہیں۔ ان میں ابن رشد، شاہ ولی اللہ، سید احمد شہید کی تحریک، سرسید، شبلی، مولانا آزاد، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا منت اللہ رحمانی اور قاری محمد طیب کے اجتہاد کے اوپر ہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی پر لکھتے ہوئے انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مولانا کا تصور سنت و حدیث اپنے استاد مولانا فراہی کے تصور سے بالکل الگ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''مولانا اصلاحی سنت بول رہے ہوتے ہیں، مگر ان کے ذہن میں حدیث ہوتی ہے، اس لیے بہ ظاہر سنت و حدیث کو الگ الگ قرار دینے کے باوجود وہ عملاً دونوں میں فرق کو ملحوظ نہیں رکھ سکے ہیں''۔[9]

اس کے علاوہ تصوف کے ناقدانہ مطالعہ کے ضمن میں ''وحدت الوجود ایک غیر اسلامی نظریہ'' ہے، جو کافی دقیق بحثوں پر مشتمل ہے اور وحدت الوجود کے تار و پود بکھیر دیتی ہے۔

''توحید کا قرآنی تصور'' اور ''ایمان و عمل کا قرآنی تصور''۔ یہ دونوں کتابیں بھی بنیادی نوعیت کی ہیں اور اصلاحی نقطۂ نظر رکھتی ہیں۔ ان تینوں کتابوں میں ڈاکٹر اعظمی بجا طور پر توحید کے بارے میں بہت حساس نظر آتے ہیں اور امت مسلمہ میں بڑی شدت کے ساتھ پائی جانے والی اولیا پرستی اور شرک کی دوسری صورتوں کے خلاف شمشیر براں۔

ان کی ایک اہم کتاب ''مولانا حمید الدین فراہی کے بنیادی افکار'' نئی دہلی سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں ان تحریروں کو جمع کیا گیا ہے، جو انھوں نے وقتاً فوقتاً مولانا فراہی کے افکار پر لکھی ہیں۔ مثلاً ایک مقالہ کا عنوان ہے: ''حدیث کے بارے میں مولانا فراہی کا نقطۂ نظر''، ''فی ملکوت اللہ مولانا فراہی کی ایک اہم تصنیف''، ''تفہیم انجیل اور مولانا فراہی''۔ ''نظریۂ نظم قرآن اور مولانا فراہی''۔

ڈاکٹر اعظمی نے شبلی پر کئی جہتوں سے لکھا ہے۔ شبلی کی تنقید، انشا پردازی، ندوۃ العلما اور علما سے ان کا تعامل وغیرہ۔ اس کے علاوہ انھوں نے ایک کتاب ''سیرت النبی'' کے علمی جائزہ پر بھی لکھی ہے، جس میں ان کا کہنا ہے کہ ''شبلی کی سیرت النبی اردو کی سب سے عظیم سیرت ہے۔ مگر اس میں بھی کمیاں رہ گئی ہیں۔ یہ

---

9۔ جادہ و منزل ۲۰۳، البلاغ پبلیکیشنز، نئی دہلی۔

زیر تصنیف تھی شبلی اس پر نظرثانی نہیں کر سکے تھے۔اور مولانا سید سلیمان ندوی نے افسوس کہ اپنے استاد کے ساتھ وفا نہیں کی۔ شبلی کے معمولی اعتزال کو انھوں نے اپنی اہل حدیثیت سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ شبلی کی بہت سی عبارتیں بدلیں۔ مقدمہ میں اپنی طرف سے بہت کچھ بڑھادیا۔ میں نے اس سب کا جائزہ لیاہے۔''[۱۰]

بنیادی طور پر ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی مدرسۂ فراہی سے ہی وابستہ خیال کیے جاتے ہیں، مگر یہ بات بڑی عجیب ہے کہ اپنی تحقیقات اور فکر وخیال کے لیے وہ کسی بھی شخصیت کا حوالہ دینا پسند نہیں کرتے تھے۔انھوں نے حج کا سفر نامہ بھی لکھا۔

ان کے علاوہ بھی اعظمی صاحب کی متعدد کتابیں ہیں۔ کئی ابھی شائع بھی نہیں ہو سکی ہیں۔ وہ معارف، ترجمان دارالعلوم، التوعیہ، التبیان وغیرہ رسالوں میں برابر چھپا کرتے۔ وہ بہترین مقرر، اور مشاق Table talker تھے جو گھنٹوں اپنے موضوع پر گفتگو کا ملکہ رکھتے تھے۔ گفتگو مدلل اور منطقی ہوتی۔ عرصۂ دراز سے خانہ نشین تھے اور بہت کم لوگوں سے خلاملا رکھتے۔ جلسوں، مذاکروں اور سیمیناروں میں جانا انھوں نے بالکل چھوڑ دیا تھا، یہاں تک کہ فون کا استعمال بھی بہت کم کرتے تھے۔

اعظمی صاحب کو 'کورونا' کی عالمی وبا کے دوران میں کورونا ہو گیا تھا اور وہ خاصے دنوں تک اس سے متاثر رہے، بعد میں کچھ افاقہ تو ہو گیا، تاہم ان کی صحت کافی متاثر ہو گئی تھی۔اس کے بعد ان کو کینسر بھی تشخیص ہوا اور ان کی طویل علالت کی خبریں برابر آرہی تھیں۔ان کی وفات سے ایک دیدہ ور مصنف، صاحب نظر عالم، صائب الرائے مفسر اور صاحبِ بصیرت ناقد و مصلح سے مسلمانان ہند محروم ہو گئے۔ خاک سار کو ان سے ایک دور کی نسبت یہ تھی کہ وہ والد ماجد علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی کے شاگرد تھے، جن کو والد ماجد نے مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ میں پڑھایا تھا۔

کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

امید ہے کہ پروفیسر الطاف احمد اعظمی مرحوم کی غیر مطبوعہ کتابیں اور مقالے بھی جلد ہی منظر عام پر آئیں گے اور نئی نسل اس نئی علمی صدا کی طرف متوجہ ہو سکے گی۔

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

۱۰۔ انٹرویو مذکور۔

# Trusted Name for Last 65 years

Best Treatment for Your Branded Kurtas, Bosky
Ladies' Shalwar Suits, Trousers, Dress Shirts & Jackets

Since 1949

Snowhite

DRYCLEANERS

Largest Cleaning Network ... COUNTRYWIDE!

TQCSI Quality Certified ISO 9001 : 2000

Brands of the year Award IT'S ALL ABOUT CHAMPIONS 2011-2012

Web: www.snowhite.com.pk

Tel: 021-38682810